ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اقبال

قائداعظم

مقبول انور داؤدی

انتساب

ان نونہالانِ وطن کے نام

جن کے لیے

قائداعظم کی زندگی مشعل راہ

کا کام دے سکتی ہے

☆

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

اقبال

فہرست

پیش لفظ

برصغیر ہند میں مسلمانوں کی آمد ابتدا محمد بن قاسم سے ہوتی ہے۔جس نے سترہ سال کی عمر میں سندھ و ملتان کے علاقے فتح کر کے اس ملک میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی۔لیکن کچھ مدت کے بعد یہ حکومت سمٹ سمٹا کر ملتان اور منصورہ تک محدود ہوگئی۔صرف یہی نہیں بلکہ ہندومت نے یہاں کے مسلمانوں کے عقائد پر بھی گہرا اثر کیا اور وہ بہت حد تک اسلام سے بیگانہ ہو گئے۔

محمد بن قاسم کے بعد دوسرا مسلمان حملہ آور سلطان محمود غزنوی کا باپ سبکتگین ہے جس نے شمال مغربی دروں سے گزر کر سر زمین پنجاب میں قدم رکھا۔اس کے بعد اس کے بہادر اور شریف بیٹے سلطان محمود غزنوی نے ہندوستان پر یکے بار دیگرے سترہ حملے کئے۔وہ فتوحات کرتا ہوا ہندوستان کے قلب تک پہنچ گیا۔اس نے ریگ زار راجپوتانہ کو عبور کر کے سومنات کو فتح کیا۔مگر اس نے ہندوستان میں اپنی مستقل حکومت قائم نہ کی۔صرف والی لاہور کی آئے دن کی شرارتوں اور وعدہ خلافیوں سے تنگ آ کر اس نے لاہور کو سلطنت غزنویہ میں شامل کر لیا تھا۔

محمود کی اولاد نے اگر چہ ڈیڑھ سو سال تک حکومت کی مگر ان میں محمود غزنوی کا سا دم خم اور جرأت و بہادری کہاں تھی۔آخر وہ وقت آیا کہ سلطنت غزنویہ پر غوری چھا گئے اور ان میں سے شہاب الدین محمد غوری نے دہلی کو فتح کر کے پہلی بار ہندوستان میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی۔اور جب محمد غوری گکھڑوں کے ہاتھوں مارا گیا تو اس کے نائب السلطنت سلطان قطب الدین ایبک نے خود مختاری کا اعلان کر کے خاندان غلاماں کی بنیاد رکھی اور ہندوستان میں باقاعدہ مسلمانوں کی حکومت قائم کی۔

غلامی کے بعد کئی اور خاندان مثلاً خلجی، تغلق اور لودی بر سر اقتدار آئے۔

مگر آخر تیمور کی اولاد میں سے بابر نے فرغانہ سے نکل کر افغانستان پر قبضہ کر لیا

اور پھر پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی کو شکست دے کر ہندوستان میں مغل سلطنت کی بنیاد رکھی۔ جو صدیوں تک ہندوستان میں رعب وطنطہ سے قائم رہی۔

ہر مغل بادشاہ نے اپنی سلطنت کو بڑھایا۔ مگر اورنگ زیب عالمگیر نے اپنی سلطنت کو کابل سے راس کماری تک اور بحیرہ عرب کے ساحل سے لے کر ہندوستان کے مشرقی پہاڑوں تک وسعت دی۔ اس الوالعزم شہنشاہ کی ساری زندگی جنگ وجدل میں بسر ہوئی۔

اورنگ زیب عالمگیر اتنی بڑی وسیع سلطنت چھوڑ گیا تھا کہ اس کے جانشینوں کے لیے اس کا انتظام کرنا آسان نہ تھا اور جیسا کہ اصول ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے اور ہر سلطنت اپنے عروج پر پہنچ کر زوال پذیر ہونے لگتی ہے۔ یہی صورت مغل سلطنت کو پیش آئی۔ اورنگ زیب کی وفات کے بعد جہاں مغل سلطنت کو زوال آیا، وہاں مغرب سے آئی ہوئی تاجر قوم کو اس ملک میں پاؤں پھیلانے کا موقعہ مل گیا۔

مغل سلطنت میں میں ضعف آنے کے باعث ملک میں جابجا بغاوتیں شروع ہو گئیں راجواڑوں اور صوبوں نے خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ انگریزوں نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا وہ کسی کی مخالفت کرتے اور کسی کی حمایت اور اس طرح دو حکمرانوں کولڑا کو اپنا الو سیدھا کرتے رہے۔

برصغیر کے مسلمانوں کے لیے یہ انتہائی نازک وقت تھا۔ حکومت کے زوال کے ساتھ ساتھ وہ اخلاقی اور مذہبی طور پر پستی کی طرف جا رہے تھے۔ اس نازک وقت میں شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کے چند بزرگوں نے مسلمانوں کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ احمد شاہ ابدالی کا حملہ بھی انہی کے بلاوے پر ہوا تھا۔ مگر ابدالی پانی پت کے تاریخی مقام پر مرہٹوں کو زبردست شکست دے کر واپس لوٹ گیا اور ہندوستان پھر ایک مرتبہ فتنہ وفساد کی آماجگاہ بن گیا۔

پنجاب میں سکھوں نے فتور مچا رکھا تھا۔ اور انہوں نے مسلمانوں کی زندگی عذاب میں کر رکھی تھی۔ اس وقت خاندان ولی اللہی ہی کے ایک مرید سید احمد بریلوی نے ہندوستان میں جہاد کی تحریک شروع کی مگر اپنے ہی بھائیوں کی غداری سے ان کی یہ تحریک کامیاب نہ ہوسکی۔ اور سید احمد بریلوی، مولانا شاہ اسماعیل اور ان کے دوسرے ساتھی ضلع ہزارہ میں بالاکوٹ کے مقام پر سکھوں سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

۱۸۵۷ء کے غدار نے مغل خاندان کا آخری ٹمٹماتا ہوا چراغ بھی گل کر دیا۔ بہادر شاہ ظفر کے بیٹوں کو بغاوت کے جرم میں گولی مار دی گئی۔ اور بہادر شاہ ظفر کو رنگون میں جلاوطن کر دیا گیا۔

اب ہندوستان پر انگریزوں کا مکمل قبضہ تھا۔ کمپنی کی حکومت کی بجائے یہ ملک اب براہ راست تاج کے ماتحت آ گیا۔ ہندو قوم میں حالات کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لینے کی لچک موجود ہے۔ لہٰذا انہوں نے جہاں ملک کی آزادی میں بھی حصہ لیا وہاں انگریزوں سے بھی اپنے تعلقات استوار کیے اور خوب فائدہ اٹھایا۔

۱۸۸۵ء میں کانگریس کی بنیاد رکھی گئی جو آہستہ آہستہ سیاسی مطالبات کرنے لگی۔ ہندو قوم نے تعلیم اور سرکاری ملازمتوں میں اپنی اجارہ داری قائم کر لی۔ ان کے مقابلے میں مسلمان ابھی تک

"پدرم سلطان بود"

میں مگن تھا۔ آخر سر سید نے قوم کی زبوں حالی کو محسوس کیا چنانچہ انہوں نے علما کی مخالفت کے باوجود مسلمانوں میں انگریزی تعلیم حاصل کرنے کا شوق پیدا کیا اور اپنی ذاتی کوشش اور محنت سے علی گڑھ کالج کی بنیاد رکھی۔ اس ادارے نے بڑے بڑے لوگ پیدا کیے جنہوں نے قوم کی حالت کو بہتر بنانے میں سرگرم حصہ لیا۔

مسلمانوں کو تعلیم کی طرف توجہ دلا دی گئی۔ مگر ان کے سیاسی حقوق کی حفاظت

کے لیے ابھی کوئی پلیٹ فارم نہ تھا۔ آخر ۱۹۰۶ء میں جب ڈھاکہ میں ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس ہوا تو اس وقت ایک سیاسی جماعت کے قیام کو شدت سے محسوس کیا گیا چنانچہ ڈھاکہ میں ہی مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی۔

لیگ مدت تک ان لوگوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنی رہی۔ جن کی سرکار تک رسائی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آزادی پسند مسلمان کانگریس کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔ اور آزادی وطن کے لیے بیش بہا خدمات انجام دیں۔ لیکن جب نہرو رپورٹ چھپ کر آئی تو مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں اور انہوں نے محسوس کیا کہ ہندو انہیں بے وقوف بنا کر برصغیر میں ہندو راج کے منصوبے تیار کر رہے ہیں۔

سب سے پہلے ایک مرد قلندر حضرت علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کے قلوب کی آواز کو برسر منبر دوہرایا۔ اور مطالبہ کیا کہ ہندوستان میں ایک ہی قوم نہیں بلکہ یہاں دو قومیں ہیں، ہندو اور مسلمان۔ مسلمان زندگی کے ہر شعبے میں اپنی ہمسایہ قوم سے مختلف ہیں۔ ان کی اپنی الگ تہذیب اور علیحدہ تمدن ہے۔ ان کی زندگی کا کوئی فعل بھی ہندوؤں کے ساتھ مشترک نہیں۔ لہذا ضروری ہے کہ ان کے لیے ایک الگ وطن مقرر کیا جائے جہاں وہ اپنی مرضی سے حکومت کر سکیں۔

اس وقت تو اس تجویز کو دیوانے کی بڑ محسوس کیا گیا۔ لیکن تقاضائے وقت سے مجبور ہو کر علامہ اقبال نے حضرت قائداعظم کو آمادہ کر لیا کہ اس نازک وقت میں آ کر قوم کی منجدھار میں پڑی ہوئی ناؤ کو کھویا بن کر اسے پار لگائیں۔

قائداعظم محمد علی جناح جو کبھی کانگریس کے سرگرم رکن تھے، جن کی خدمات کے عوض میں بمبئی جناح ہال تعمیر ہوا، جنہیں بلبل ہند سروجنی نائیڈ ''پیام بر اتحاد'' کے نام سے یاد کیا کرتی تھیں۔ انھوں نے ناخدا بن کر ۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ کی عنان اپنے ہاتھ میں لی اور قوم میں یک جہتی اور ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے ملک بھر کا دورہ کیا۔ قوم نے ان کی مخلصانہ اپیل پر لبیک کہا۔

آخر علامہ اقبال کی وفات کے دو سال بعد لاہور میں مسلم لیگ نے انگریز سے قیام پاکستان کا مطالبہ کیا۔ اس مطالبے پر دنیا میں ایک سناٹا چھا گیا۔ مگر اس مرد مجاہد یعنی قائداعظم نے جس خلوص، جرأت اور اولوالعزمی سے اس مطالبے کو منوانے کی کوشش کی اس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ آخر اس مرد مجاہد کی مخلصانہ کوشش سے سات سال کی قلیل مدت میں دنیا کے جغرافیے پر ایک نئے **ملک** کا نقشہ کھینچنا پڑا جس کا نام ہے۔

پاکستان

جس میں ہم اور تم آزادانہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ جو دنیا کی سب سے بڑی اسلامی اور دنیا کی پانچویں بڑی مملکت ہے۔ آج ہم پر کسی غیر کی حکومت نہیں ہے بلکہ ہم خود اپنے حاکم بھی ہیں اور رعایا بھی۔

اس کتاب میں اس مرد مجاہد کی زندگی کی داستان ہے جس کو پڑھ کر اندازہ ہو سکے گا کہ ایک کامیاب لیڈر بننے کے لیے کن صفات کا ہونا ضروری ہے۔

اس وقت تک قائداعظم کو جو سوانح حیات چھپی ہیں، ان میں زیادہ تر ان کی تقاریر کو اہمیت دی گئی ہے لیکن ہم یہاں ان کی خالص زندگی کو پیش کرنے کی کوشش کریں گے تا کہ پڑھنے والوں کے لیے مرحوم کی قابل تقلید زندگی شمع ہدایت کا کام دے سکے۔

وما توفیقی الا باللہ

۲۳/مارچ ۱۹۵۵ء مقبول انور داؤدی

قائداعظم

بچپن اور لڑکپن

خاندان:

قائداعظم کے آباءاجداد کاٹھیاوار کے رہنے والے تھے۔مگر وہ کاروبار کے سلسلے میں اپنے وطن کو چھوڑ کر کراچی چلے آئے تھے۔ان کے والد جیناپونجا چمڑے کا کاروبار کیا کرتے تھے، قائداعظم نیوٹھم روڈ کراچی کے اس سہ منزلہ مکان میں ۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ءبروز اتوار پیدا ہوئے جو آج وزیر مینشن کے نام سے مشہور ہے۔

ابتدائی تعلیم:

قائداعظم چھ برس کے تھے جب مدرسے میں داخل ہوئے۔لیکن کچھ مدت کے بعد بمبئی چلے گئے اور ایک سال بمبئی کے گوکل داس تیج پرائمری سکول میں پڑھتے رہے۔اس کے بعد کراچی آ گئے اور سندھ مدرستہ الاسلام میں داخل ہو کر اپنی تعلیم کو جاری رکھا۔جس کے صدر دروازے پر یہ کتبہ لکھا ہوا ہے۔

(Enter to learn go forth to Serve)

علم حاصل کرنے لیے آؤ اور خدمت کے لیے جاؤ۔

پندرہ برس کی عمر میں آپ سندھ مدرسہ کو چھوڑ کر کرسچین مشنری سوسائٹی ہائی سکول میں داخل ہوئے۔یہیں سے آپ نے امتیازی نمبروں سے دسویں جماعت کا امتحان پاس کیا۔

قائداعظم کو بچپن سے ہی تعلیم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔اور اکثر وہ بہت رات گئے تک کتابیں پڑھتے رہا کرتے تھے۔قائداعظم کے چچا زاد بھائی کی بیوہ فاطمہ بائی کا بیان ہے۔"مجھے محمد علی کی صحت کا بڑا خیال رہتا تھا۔میں اکثر انہیں منع کیا کرتی تھی کہ اتنی رات تک نہ جاگا کریں۔اس سے صحت پر برا اثر پڑنے کا اندیشہ

ہے''۔اس پر قائداعظم مسکرا کر کہا کرتے:

بائی! میں زیادہ اس لیے پڑھتا ہوں کہ مجھ کو ایک دن بڑا آدمی بننا ہے۔کیا آپ پسند نہیں کرتیں کہ میں بڑا آدمی بنوں؟

قائداعظم کی خوش پوشی اور خوش خوراکی ضرب المثل بن چکی ہے۔آپ کے عزیزوں کا بیان ہے کہ بچپن ہی سے قائداعظم اچھے کپڑے پہنتے، صاف ستھرے رہتے اور اچھی چیزیں کھانے کے شوقین تھے۔کبابوں کے تو بڑے ہی رسیا تھے۔ان کے ایک ہم عمر اور بچپن کے ساتھی نانجی جعفر بیان کرتے ہیں کہ محلے کے بچے گلی میں اکثر گولیاں کھیلا کرتے تھے۔لیکن جناح کبھی ان بچوں کے ساتھ نہیں کھیلتے تھے۔ایک دن جبکہ گولیاں کھیلتے ہوئے میرے ہاتھ مٹی میں لت پت ہو رہے تھے۔تو انہوں نے کہا۔جعفر! یہ تو کوئی اچھا کھیل نہیں ہے۔دیکھو تمہارے ہاتھ کتنے گندے ہو رہے ہیں۔چھوڑو اس کھیل کو میرے ساتھ آؤ ہم کرکٹ کھیلتے ہیں۔چنانچہ جناح بیٹ اور وکٹیں لے آئے اور دوسرے بچے بھی گولیاں کھیلنا چھوڑ کر کرکٹ کھیلنے لگ گئے۔

پہلی شادی:

خاندانی رسم و رواج کے مطابق بچپن میں ہی آپ کی شادی کاٹھیاوار کی ایک خاتون سے امیہ بائی سے ہوگئی۔شادی کے کچھ دیر بعد آپ بیرسٹری کی تعلیم کے لیے انگلستان چلے گئے۔آپ وہیں تھے کہ آپ کی بیوی کا انتقال ہوگیا۔اور کچھ عرصہ بعد، آپ کی والدہ بھی چل بسیں۔جن سے قائداعظم کو بہت محبت تھی۔

لندن میں:

کراچی سے دسویں جماعت کا امتحان پاس کرنے کے بعد قائداعظم کی ذہانت کو دیکھ کر ان کے والد کو ایک انگریز دوست مسٹر فریڈرک کرافٹ نے مشورہ دیا کہ محمد علی کی بیرسٹری کی تعلیم انگلستان بھیجا جائے۔اگرچہ قائداعظم کے والد کی خواہش تھی

کہ وہ کاروبار میں ان کے شریک ہوں۔لیکن قائداعظم کے شوق تعلیم اور دوست کے مجبور کرنے پر ان کے والد قائداعظم کو انگلستان بھیجنے پر راضی ہو گئے۔

لندن پہنچ کر آپ نے ''لنکن اِن'' میں داخلہ لیا۔بدقسمتی سے دوسری جنگ عظیم کے باعث وہ تمام ریکارڈ برباد ہو گئے۔اس لیے قائداعظم کے قیام لندن کی تفصیلات نہیں ملتیں۔صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ ۳۵ رسل روڈ کنسنگٹن کے ایک معمولی مکان میں رہا کرتے تھے۔قائداعظم نے ایک موقعہ پر لندن میں اپنی پہلی آمد کے متعلق فرمایا تھا کہ:

''انگلستان میرے ایک عجیب ملک اور وہاں کے باشندے میرے لیے غیر مانوس تھے۔وہاں میرا کوئی واقف نہ تھا۔وہاں کی کہر، دھند اور سخت موسم سرما نے مجھے بے حد پریشان کیا۔لیکن بہت جلد میرا دل لگ گیا اور میں خوش وخرم رہنے لگا''۔

بحیثیت طالب علم لندن میں قائداعظم نے بڑی محنت سے تعلیم حاصل کی اور دو سال کی قلیل مدت میں کامیابی حاصل کی۔اس وقت آپ کی عمر صرف اٹھارہ برس کی تھی۔لیکن ''لنکن اِن'' کی رسوم پوری کرنے کے لیے انہیں مزید دو سال تک انگلستان میں ٹھہرنا پڑا۔آپ انگلستان کی بار میں شامل ہونے والوں میں سب سے کم عمر تھے۔زمانہ طالب علمی میں آپ کو نوجوانوں کی طرح کوئی کشش اور جاذبیت اپنی طرف نہ کھینچ سکتی تھی۔آپ کا زیادہ وقت دارالعلوم میں ارکان کی تقریریں سننے میں صرف ہوتا تھا۔

چونکہ آپ کو ایک زبردست وکیل بننا تھا اور قوم کی تخلیق کرنی تھی۔لہذا ابتدا ہی سے آپ نے اپنی زندگی کا ایک منٹ بھی فضول باتوں اور مشغلوں میں ضائع نہیں کیا۔''لنکن ان'' میں داخلے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس کے صدر دروازے پر نبی کریم ﷺ کا اسم مبارک دنیا کے عظیم ترین قانون سازوں کی فہرست میں شامل تھا۔قائداعظم حضرت محمد ﷺ کو دنیا کے عظیم المرتبت سیاست دان، مدبر اور ایک

عظیم فرماں روا سمجھتے تھے۔

انگلستان کے دوران قیام میں آپ پر لبرل مکتب خیال کے بہت سے ممتاز رہنماؤں سے ملنے کے مواقع ملے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں اس نظریہ کو بخوبی سمجھنے لگا۔ اس وقت انگلستان میں لارڈ مورلے کے لبرل ازم کا سکہ چلتا تھا۔ میں نے انہیں کے افکار و نظریات کو اپنایا اور یہ لبرل ازم میرے رگ و پے میں سرایت کر گئی۔ جس نے مجھے عجیب خوشی اور مسرت کی کیفیت بخشی۔

قائداعظم کے قیام کے لندن کے دوران میں جہاں انہیں لبرل ازم نے بے حد متاثر کیا، وہاں دارالعلوم کی تقاریر سننے سے انھیں اپنی سیاسی تربیت میں کافی مدد ملی۔ انہیں آئرش ہوم رول پر مسٹر گلیڈسٹون کی پرجوش تقاریر سننے کا موقعہ ملا۔ آزادی نسواں کا غلغلہ بلند ہوا۔ جس سے قائداعظم بہت متاثر ہوئے۔ ہندوستان اور مصر کے متعلق انگلستان کے ردعمل اور تجزیہ کا موقعہ ملا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب لیبر پارٹی اقتدار کی طرف بڑھ رہی تھی۔

دادا بھائی نوروجی کا انتخاب:

اسی زمانے میں ہندوستان کے مشہور پارسی لیڈر دادا بھائی نوروجی مرکزی فنس بری کے حلقہ سے پارلیمنٹ کے لئے بطور امیدوار کھڑے ہوئے۔ دادا بھائی ہندوستان کی تحریک آزادی کے سرگرم حامی تھے۔ قائداعظم نے بھی ان ہی کی تربیت میں سیاسی زندگی کا آغاز کیا اور دادا بھائی کے انتخاب میں سرگرم حصہ لیا۔

واپس وطن میں:

۱۸۹۶ء میں قائداعظم قانون کی اعلیٰ ڈگری لے کر انگلستان سے وطن کو لوٹے۔ اس دوران میں آپ کی شفیق والدہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ والدہ کی طویل علالت کے باعث آپ کے والد کو ایک تو ان کی بیماری پر پانی کی طرح روپیہ بہانا پڑا۔ دوسرے ان کی تیمارداری کے باعث کاروبار کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ تمام کام چوپٹ ہوگیا۔ کاروبار کی حالت نہایت ابتر ہوگئی۔ گویا کہ کراچی میں آتے ہی قائداعظم کو گھریلو پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑا مگر قائداعظم فطرت سے ہی ایسا دل و دماغ لے کر آئے تھے جو مصائب سے پریشان ہونا اور ہمت ہارنا نہ جانتے تھے۔

کراچی کی بعض فرموں نے انھیں اپنے یہاں کام کرنے کی پیش کش کی۔ قائداعظم کی بجائے اگر کوئی اور شخص ہوتا تو اس کو غنیمت جان کر قبول کرلیتا۔ وہ کبھی پسند نہ کرتا کہ گھر کی آدھی کو چھوڑ کر ایک ناواقف شہر میں جا کر مصائب میں اضافہ کرے لیکن قائداعظم دنیا میں عزم صمیم لے کر آئے تھے اس لیے آپ نے ان سب کی پیش کش کو ٹھکرا دیا اور یہ خیال کر کے کہ اگر کراچی میں وکالت کے امکانات نہیں تو بمبئی چل کر قسمت آزمائی کی جائے آپ وہاں چلے گئے۔

☆☆☆

بمبئی میں آمد

قائداعظم نے وقتی فائدے کو نظر انداز کر دیا اور ۱۸۹۷ء میں انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں بمبئی پہنچے تاکہ وہاں وکالت شروع کریں۔ بمبئی ایسے شہر میں جا کر اعلیٰ پایہ کے تجربہ کا وکیل اور بیرسٹر موجود تھے۔ وہاں ایک ناتجربہ کار اور مالی مصائب میں گھرے ہوئے نوجوان کی کامیابی بظاہر بہت دشوار تھی۔ لیکن قائداعظم نے اپنے عزم راسخ سے ثابت کر دیا کہ وہ لوگ جنہیں دنیا میں کچھ کام کرنا ہوتا ہے وہ مشکلات کی پروا کیے بغیر منزل مقصود کی طرف بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بھی ایسے لوگوں کی مدد کرتا ہے۔

بمبئی میں ابتدائی تین سال کا زمانہ بڑی عسرت اور تنگ دستی میں بسر کرنا پڑا۔ قائداعظم جہاں رہتے تھے کچہری وہاں سے کوئی تین میل کے فاصلے پر تھی۔ قائداعظم ہر روز پیدل چل کر کچہری پہنچتے اور اپنے کام کو بڑی تندہی، جرأت اور دیانتداری سے انجام دیتے۔

۱۹۰۰ء میں بمبئی میں پریذیڈنسی مجسٹریٹ کی جگہ خالی ہوئی۔ بڑے بڑے فاضل وکلاء اس اسامی کے لیے امیدوار تھے۔ اگرچہ بظاہر کامیابی کے کوئی امکانات نہ تھے۔ تاہم قائداعظم نے بھی درخواست دے دی۔

اس سے پہلے آپ کو کچھ مدت تک بمبئی کے ایڈووکیٹ جنرل کی عدالت میں بطور ریڈر کام کرنے کا موقعہ مل چکا تھا اور یہاں آپ نے اس محنت اور جانفشانی سے کام کیا تھا کہ ایڈووکیٹ جنرل اور دوسرے لوگ جنہوں نے آپ کے کام کو دیکھا تھا آپ کی بڑی عزت کرنے لگ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ بڑے بڑے تجربہ کار اور بااثر وکیلوں کے مقابلے میں آپ کامیاب ہوئے۔ اور بمبئی کے پریذیڈنسی مجسٹریٹ مقرر ہو گئے۔ اگرچہ یہ ملازمت تین ماہ کے لیے تھی مگر آپ نے جس قابلیت اور جرأت اور دانائی سے اپنے فرائض منصبی کو ادا کیا۔ اس سے خوش ہو کر افسران بالا نے آپ کی

مدت ملازمت میں تین ماہ کا اضافہ اور کر دیا۔ اب آپ کی مالی حالت اچھی ہوگئی تھی۔ لہذا آپ نے ایک گھوڑا گاڑی خرید لی اور اپنی بہن فاطمہ جناح کو بھی کراچی سے بلا کر ایک سکول میں داخل کر دایا۔

اس کے بعد بھی آپ کو کئی بار یہ خدمت تفویض کی گئی اور یہ اپنے فرائض کو بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔ آپ کی قابلیت کو دیکھ کر محکمہ عدلیہ کے انچارج ''سر چارلس اولیونٹ'' نے ایک قائداعظم سے کہا کہ اگر آپ پسند کریں تو آپ کو بمبئی کا مستقل پریذیڈنسی مجسٹریٹ مقرر کر دیا جائے۔ جہاں پر آپ کو مستقل طور پر پندرہ سو روپیہ ماہوار تک تنخواہ مل سکتی ہے۔

یہ قائداعظم کا دوسرا امتحان تھا۔ آج سے پچاس سال پہلے پندرہ سو روپیہ ماہوار تنخواہ کچھ کم نہ تھی۔ لیکن قائداعظم نے سر چارلس کی پیش کش کو مسترد کر دیا اور سر چارلس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ ''میں اس قدر روپیہ ایک دن میں پیدا کرنے کی توقع رکھتا ہوں۔ اس لیے میں مستقل طور پر ملازمت نہیں کروں گا''۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کہ بطور وکیل قائداعظم کی ماہانہ آمدنی پندرہ ہزار روپے تک پہنچ گئی تھی۔

رتن بائی سے شادی:

قائداعظم کی پہلی شادی ایک خواب کی مانند تھی۔ آپ کی بیوی کا اس وقت انتقال ہوگیا تھا۔ جب آپ انگلستان میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ اب آپ کی عمر ۴۱ سال کی ہو چکی تھی لیکن شادی نہیں ہوئی تھی۔

بمبئی کے ابتدائی حالات اگرچہ بہت حوصلہ شکن تھے۔ مگر قائداعظم کے عزم راسخ نے ان مشکلات پر آخر فتح پائی۔ ۱۹۱۲ء تک قائداعظم بمبئی کے مشہور اور ممتاز وکلا میں شمار ہونے لگے اور سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے باعث بمبئی کی اونچی سوسائٹی سے آپ کا میل جول بڑھنے لگا۔

قائداعظم ان ایام میں ماؤنٹ پلیزنٹ روڈ پر ایک چھوٹی سی عمارت میں پر سکون زندگی بسر کر رہے تھے۔ اگرچہ آپ کا اکثر وقت اپنے کاروبار میں ہی بسر ہوتا تھا تاہم جب فرصت ملتی تو آپ اپنے ایک دوست سر ڈنشا پیٹ کے ہاں چلے جایا کرتے تھے۔ مسٹر ڈنشا ایک دولت مند پارسی تھے اور بمبئی کو عروس البلاد بنانے میں ان کا بڑا ہاتھ تھا۔

سر ڈنشا کی ایک لڑکی رتن بائی تھی۔ جو قائداعظم سے تقریباً ۲۴ سال چھوٹی تھی اور اپنی ذہانت اور ظرافت کی وجہ سے "بمبئی کا گلاب" کے نام سے مشہور تھی۔ سر ڈنشا کے ہاں آنے جانے سے رتن بائی سے بھی ان کی کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ جو رفتہ رفتہ محبت میں تبدیل ہو گئیں۔ جب آپ کو یقین ہو گیا کہ آپ رتن بائی کے بغیر نہیں رہ سکتے تو آپ نے اس سے شادی کی درخواست کی۔ رتن بائی بھی قائداعظم کو دل و جان سے چاہتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خفیہ طریق پر دونوں میں شادی کے قول وقرار ہو گئے۔

جب سر ڈنشا کو معلوم ہوا کہ ان کی بیٹی نے محمد علی جناح سے خفیہ طریق پر منگنی کر لی ہے تو وہ بہت برہم ہوئے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی لڑکی ایک ادھیڑ عمر کے مسلمان سے شادی کرے۔ چنانچہ انہوں نے عدالت سے حکم لے لیا کہ چونکہ میری لڑکی کم سن ہے اس لئے اسے اپنے طور پر شادی کرنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ چنانچہ عدالت نے حکم امتناعی جاری کر دیا۔

لیکن ایک سال کے بعد رتن بائی ۱۸ سال کی ہو گئی۔ اب وہ بالغ تھی اور قانوناً اس کو یہ حق تھا کہ وہ جس سے چاہے شادی کرے۔ چنانچہ ۱۹ اپریل ۱۹۰۸ء کو رتن بائی نے اسلام قبول کیا اور دونوں کی شادی ہو گئی۔

سیاسی زندگی کا آغاز:

اگرچہ قائداعظم نے بمبئی میں اپنی حالت سنبھلتے ہی ملکی سیاست میں حصہ لینا

شروع کر دیا تھا۔لیکن رتن بائی سے شادی کے بعد ایک واقعہ نے قائداعظم کی زندگی میں نمایاں تبدیلی پیدا کر دی۔

اس زمانے میں لارڈ ولنگڈن بمبئی کے گورنر تھے جن کے متعلق قائداعظم کی رائے نہایت اچھی تھی ۔ چنانچہ اپنی کئی ایک تقریروں میں وہ لارڈ ولنگڈن کے اخلاق کی تعریف کر چکے تھے۔

شادی کے کچھ عرصہ بعد قائداعظم کو اپنی اہلیہ سمیت گورنمنٹ ہاؤس کے ایک ڈنر میں شریک ہونے کا موقعہ ملا۔اس وقت مسز جناح ڈنر میں ایسا لباس پہن کر شریک ہوئیں جو اوپر سے کافی کھلا تھا۔لیڈی ولنگڈن کو یہ بات کچھ ناگوار سی محسوس ہوئی انہوں نے اپنے اے۔ڈی۔سی کو بلا کر کہا شاید مسز جناح کو سردی لگ رہی ہے ان کے لیے ایک شال لاؤ۔قائداعظم نے یہ بات سنی تو برافروختہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑ کر یہ کہتے ہوئے باہر نکل آئے کہ ''جب مسز جناح کو سردی لگے گی وہ خود شال مانگ لیں گی''۔اس کے بعد وہ کبھی گورنمنٹ ہاؤس کی دعوتوں میں شریک نہ ہوئے۔

لارڈ ولنگڈن کی مخالفت :

اس وقت پہلی جنگ عظیم زوروں پر تھی۔ وائسرائے نے ہندوستانیوں سے اپیل کی کہ وہ اس جنگ میں انگریزوں کی زیادہ سے زیادہ مدد کریں ۔اس کے برعکس قوم پرستوں کی طرف سے ایک مینی فیسٹو شائع کیا گیا جس میں برطانیہ سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ ہندوستان میں ایک ذمہ دار حکومت قائم کرے۔جس کا اس نے پہلے سے وعدہ کر رکھا ہے۔اس مینی فیسٹو میں کہا گیا تھا کہ'' انگلستان عہد کرے کہ جس طرح اس نے آئرلینڈ سے اپنا وعدہ پورا کیا ہے،اس طرح وہ اس عہد کو پورا کرے۔ جو اس نے کانگرس اور لیگ سے کیا ہے''۔اس مینی فیسٹو پر قائداعظم نے بھی دستخط کیے۔

اس مینی فیسٹو کی اشاعت کے پندرہ روس بعد وائسرائے کی جنگی کانفرنس ہوئی۔جس میں قائداعظم نے مینی فیسٹو کے مطالبات کا اعادہ کیا۔لیکن ان کی تجویز منظور نہ ہو سکی۔

اس کے کچھ مدت بعد بمبئی میں لارڈ ولنگڈن گورنر بمبئی کی صدارت میں جنگی کانفرنس ہوئی۔جس میں قائداعظم کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی۔اس موقعہ پر لارڈ ولنگڈن نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔

''ہندوستان میں ایسے راہنما بھی ہیں جن کی تقاریر سننے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں نازک صورت حالات کا احساس تو ہے۔ لیکن جب تک ہم انہیں حکومت خود اختیاری دینے کا وعدہ نہیں کرتے، اس وقت تک وہ برطانیہ کی امداد کرنے کو تیار نہیں ہیں''۔

قائداعظم نے محسوس کیا کہ لارڈ ولنگڈن نے ان کے خلوص پر حملہ کیا ہے۔جسے وہ کبھی بھی برداشت نہ کر سکتے تھے۔آپ نے اسی وقت لارڈ موصوف سے واضح الفاظ میں فرمایا۔

اگر آپ کی خواہش ہے کہ ہندوستان آپ کی امداد کرے۔اگر آپ بھرتی کی مہم کو تیز کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو یہ یقین دلانا ہو گا کہ آپ ہندوستانیوں کو بہت جلد مساویانہ حقوق دے دیں گے۔

اس واقعہ نے قائداعظم کے دل میں لارڈ ولنگڈن کے لئے اور بھی نفرت بھر دی اور انہوں نے محسوس کیا کہ ان کی اور ان کے ساتھیوں کی توہین کی گئی ہے۔

عوامی لیڈر کی حیثیت سے

دسمبر ۱۹۱۸ء میں جب لارڈ ولنگڈن اپنی مدت ملازمت ختم کرنے کے بعد انگلستان جانے والے تھے،چند جی حضوریوں نے انہیں ٹاؤن ہال میں ایک الوداعی پارٹی دینے کا فیصلہ کیا۔

جب قائد اعظم کو اس پارٹی کا علم ہوا تو آپ نے اس کو نا کام بنانے کا پختہ فیصلہ کر لای۔ مقررہ دن آپ مسٹر ہارنی مین اور دوسرے ساتھیوں کے ساتھ وقت مقررہ سے پہلے ہی ٹاؤن ہال پہنچ گئے اور اگلی نشستوں پر قبضہ جمایا۔ لارڈ ولنگڈن کے حامیوں نے آ کر اس صورت حالات کو دیکھا تو سخت پریشان ہوئے۔ انہوں نے زبردستی ان کو ان نشستوں پر سے اٹھانے کی کوشش کی۔ پولیس بھی طلب کر لی گئی۔ لیکن یہ لوگ کسی قیمت پر بھی اپنی نشستیں چھوڑنے کو تیار نہ تھے۔ ٹاؤن ہال کے باہر عوام کا ایک جم غفیر جمع ہو گیا۔ جس کی قیادت مسز جناح کر رہی تھیں اور انہیں زبردستی ہال میں گھس جانے کی ترغیب دے رہی تھیں۔

صبح دس بجے سے شام پانچ بجے تک یہ ہنگامہ گرم رہا اور لارڈ ولنگڈن کو اس جلسے میں آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ آخر پولیس کمشنر نے ہال خالی کرا لینے کا حکم دے دیا۔ لیکن اب وقت گذر چکا تھا۔ لہذا قائد اعظم اپنے ساتھیوں سمیت ہال سے باہر آ گئے اور ایک جلوس کی صورت میں اپولو سٹریٹ پہنچے۔ مسز جناح بھی ان کے ہمراہ تھیں۔ اپولو سٹریٹ پہنچ کر آپ نے عوام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

> ”میں بمبئی کے شہری عوام کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے جمہوریت کے نام پر آج بہت بڑی فتح حاصل کی ہے۔ آپ کو آج کی کامیابی سے یقین ہو گیا ہو گا کہ ظلم و استبداد کی متحدہ طاقتیں بھی آپ کو شکست نہیں دے سکتیں۔ آج کا دن ہندوستان کی آزادی کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔ آپ کو جمہوریت کی اس فتح پر خوشیاں منانے کا پورا پورا حق ہے۔“

اس واقعہ نے قائد اعظم کو ایک سیاسی لیڈر کی حیثیت سے بہت بلند کر دیا۔ اہل بمبئی نے آپ کے اس شاندار کارنامے کی یاد میں ایک ہال تعمیر کیا۔ جو آج تک ”جناح ہال“ کے نام سے موسوم ہے۔ اس ہال کا افتتاح مشہور کانگریسی لیڈر مسز

سروجنی نائیڈو کے ہاتھوں سے کرایا گیا۔ قائداعظم ان ایام میں انگلستان میں تھے۔ اس موقعہ پر قائداعظم کو جو تار دیا گیا، اس کے الفاظ حسب ذیل تھے:

''ایک پیامبر کو اپنی ہی زندگی اور اپنے ہی ملک میں عزت حاصل ہو گئی۔''

اس ہال کے باہر یہ کتبہ لگا ہے

''جب بمبئی کے شہریوں نے قائداعظم کی جرأت آموز رہنمائی میں تاریخی فتح حاصل کی''۔

☆

قائداعظم بحیثیت وکیل

تین چار سال کے بعد ہی قائداعظم بمبئی کے چوٹی کے وکلاء میں شمار ہونے لگے۔ وکالت میں بھی آپ نے نہ صرف اپنے وقار پر کبھی حرف آنے دیا بلکہ اپنے اس پیشے کو بڑی دیانت داری سے انجام دیا۔ جب آپ کسی مؤکل کا مقدمہ لیتے تو اس کے لیے پوری تیاری کرتے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ منہ مانگی فیس وصول کیا کرتے تھے۔

کہتے ہیں ایک شخص آپ کے پاس آیا اور خواہش ظاہر کی کہ آپ اس کے مقدمے میں بطور وکیل پیش ہوں۔ جب آپ نے اپنی فیس بتائی تو اس نے کہا ”میرے پاس تو اس قدر روپیہ نہیں ہے۔“ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لے کر ”پل مین“ میں سفر نہیں کیا جا سکتا۔“ واضح رہے کہ بمبئی میں ”پل مین“ ایک بس سروس چلا کرتی تھی۔ جس میں تھرڈ کلاس کا درجہ نہیں ہوتا تھا۔

قائداعظم کی فطرت میں تھا کہ اصول کے خلاف نہ کوئی کام خود کرتے تھے اور نہ کسی کو اصول کی خلاف ورزی کرتے ہوئے دیکھ کر خاموش رہ سکتے تھے۔ ابھی آپ نے وکالت شروع ہی کی تھی کہ ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ یہ واقعہ سنہ ۱۹۰۳ء کا ہے۔ عدالت عدلیہ میں ایک مقدمہ کی سماعت ہو رہی تھی۔ عدالت کا کمرہ تماشائیوں سے بھرا ہوا تھا۔ صرف وکلاء کی چند ایک کرسیاں خالی پڑی ہوئی تھیں۔ بمبئی کارپوریشن کے صدر مسٹر جیمز میکڈانلڈ بھی آ گئے۔ جن کی شہرت میں بہت عزت تھی۔ جب انہوں نے کوئی جگہ نہ دیکھی تو وکلا کے حلقے میں ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ قائداعظم کو مسٹر میکڈانلڈ کی یہ جسارت پسند نہ آئی۔ آپ نے ان سے کہا کہ یہ وکلا کی نشستیں ہیں۔ ازرہِ کرم آپ یہاں سے اٹھ جائیں۔ لیکن مسٹر میکڈانلڈ نے جگہ چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ قائداعظم کلرک آف دی کورٹ کے پاس گئے۔ اور مطالبہ کی کہ مسٹر میکڈانلڈ کو یہاں سے اٹھا دیا جائے۔ کلرک مسٹر میکڈانلڈ سے واقف تھا اس نے

ٹالنے کی کوشش کی تو قائد اعظم نے غصے سے کہا کہ اگر تم نے اس شخص کو اس جگہ سے نہ اٹھایا تو مجھے عدالت سے کہنا پڑے گا۔ چنانچہ مسٹر میکڈونلڈ کو اٹھنا پڑا۔ قائد اعظم کی اس جرأت کا اس پر اتنا اثر ہوا کہ اس نے قائد اعظم کو ایک ہزار روپیہ ماہوار پر کارپوریشن کا وکیل مقرر کر لیا۔

عدالت میں قائد اعظم کی جرأت اور دلیری کا یہ عالم تھا کہ ایک موقعہ پر آپ نے عدالت کے سامنے دوران بحث میں کچھ ایسی باتیں کیں جو جج کو ناگوار گزریں۔ جج نے قائد اعظم کو مخاطب کرتے ہوئے ''مسٹر جناح! یہ خیال رکھیں کہ آپ کسی تھرڈ کلاس مجسٹریٹ کو مخاطب نہیں کر رہے''۔ قائد اعظم نے فوراً جواب میں کہا ''جناب عالی! آپ مجھے یہ کہنے کی اجازت دیں کہ آپ کسی تھرڈ کلاس وکیل سے مخاطب نہیں ہیں''۔

قائد اعظم کی کاروباری دیانتداری کا یہ عالم تھا کہ ایک شخص ایک مقدمہ کے سلسلے میں آپ کے پاس آیا اور کہا کہ میرے پاس آپ کی فیس ادا کرنے کی استطاعت نہیں۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ ہی میری طرف سے عدالت میں پیش ہوں اگر میں کامیاب ہو گیا تو بطور نذرانہ آپ کی خدمت میں کچھ رقم پیش کر دوں گا۔ آپ نے اس کا مقدمہ لے لیا اور اس میں کامیاب رہے۔ اس شخص نے کچھ رقم پیش کرنی چاہی تو آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ پہلے ہی یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ فیس نہیں لی جائے گی۔

اسی قسم کا ایک اور واقعہ ہے۔ ایک مؤکل آپ کے کام سے اس قدر خوش ہوا کہ کامیابی کے بعد اس نے کچھ زیادہ رقم قائد اعظم کی خدمت میں بھیج دی۔ آپ نے اپنی فیس کی رقم رکھ کر باقی روپیہ واپس کر دیا اور لکھ بھیجا کہ میں نے اپنی فیس لے لی ہے۔ باقی رقم واپس ارسال ہے۔

بمبئی کا ایک مسلمان سیٹھ ایک مقدمہ میں پھنس گیا۔ وہ قائد اعظم کے پاس گیا

کہ اگر آپ کو وکیل کیا جائے تو آپ کیا فیس لیں گے۔ قائداعظم نے کہا پانچ سو روپیہ یومیہ۔ اس شخص نے کہا کہ میرے پاس صرف پانچ ہزار روپیہ ہے کیا اس میں آپ کی فیس پوری ہو سکتی ہے۔ قائداعظم نے فرمایا ''مجھے یہ منظور نہیں۔ مناسب ہے کہ آپ کسی اور وکیل سے معاملہ کر لیں۔ میں تو پانچ سو روپیہ یومیہ سے کم ہرگز نہیں لوں گا۔ آخر سیٹھ نے آپ کی شرائط کو منظور کر لیا ہندو مسلم اتحاد قائداعظم نے تین دن میں اس مقدمے کو جیت لیا اور اس نے پندرہ سو روپے لے لیے۔''

ایک دن قائداعظم ایک عدالت میں تقریر کر رہے تھے کہ عدالت نے کہا'' مسٹر جناح قدرے بلند آواز میں بولئے۔ میں آپ کی تقریر نہیں سن سکتا''۔

قائداعظم نے جواب میں کہا ''میں بیرسٹر ہوں ایکٹر نہیں، جج نے کچھ دیر کے بعد پھر کہا ''مسٹر جناح! بلند آواز سے کہیے۔'' قائداعظم نے کہا'' اگر آپ اپنے سامنے سے کتابوں کا یہ پلندہ اٹھوا دیں تو آپ میری تقریر سن سکیں گے''۔

قائداعظم کے ایک دوست کا لڑکا بیرسٹر ہو کر آیا تو وہ اسے قائداعظم کے پاس لایا اور کہا کہ اسے اپنے ساتھ رکھئے میں چاہتا ہوں کہ یہ آپ جیسا قابل ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ آپ کا بچہ میرے دفتر میں آ جائے لیکن اسے قابل بننے کے لیے خود محنت کرنی ہو گی۔

☆

سیاسی زندگی کا آغاز

نیشنل کانگرس میں شمول:

دادا بھائی نوروجی کی تربیت نے قائداعظم کے دل میں وطن کی ہمدردی کا جذبہ بھر دیا تھا۔ اور آپ کی بڑی خواہش تھی کہ ملکی سیاسیات میں حصہ لے کر ملک کی خدمت میں کوئی اہم پارٹ ادا کریں۔ لیکن سیاسیات میں شرکت کے لیے آپ نے اس وقت تک انتظار کیا جب تک کہ آپ کی مالی حالت بہتر نہ ہوگی اور آپ نے بحیثیت ایک کامیاب وکیل کے خاصی شہرت حاصل نہ کرلی۔ حقیقت ہے کہ صرف وہی شخص خلوص سے ملکی اور ملی خدمات انجام دے سکتا ہے۔ جو قومی چندے کی فراہمی کا محتاج نہ ہو۔ قائداعظم کی تمام زندگی شاہد ہے کہ صرف یہی نہیں کہ آپ نے قومی فنڈ سے کبھی ایک پیسہ نہیں لیا بلکہ قومی روپے کو ہاتھ تک لگانا گناہ سمجھا۔

۱۹۰۶ء میں جب قائداعظم کی عمر ۳۰ برس کے قریب ہوئی اور مالی حالت بھی اچھی ہوگئی تو آپ انڈین نیشنل کانگرس میں شریک ہوگئے۔ اس وقت ہندوستان میں یہی ایک جماعت ایسی تھی جو ملکی سیاست میں سرگرم حصہ لے رہی تھی اور ہر قوم کے سیاسی رہنما اس جماعت میں شریک تھے۔

انہی ایام میں کلکتہ میں کانگرس کا سالانہ اجلاس تھا۔ جس کے صدر مشہور پارسی لیڈر دادا بھائی نوروجی تھے۔ یہ وہی ہندوستانی سیاستدان تھے جن کے انتخاب کے لیے لندن میں قائداعظم نے ایک مخلص کارکن کی حیثیت سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ اب قائداعظم کانگرس کے اجلاس میں دادا بھائی کے پرائیویٹ سیکرٹری کی حیثیت سے شامل ہوئے۔

۱۹۰۶ء سے ۱۹۱۰ء تک قائداعظم ایک مخلص کانگرسی کی حیثیت سے ملک وقوم کی خدمت کرتے رہے۔ ملکی سیاست میں آپ نے گوپال کرشن گوکھلے کو اپنا رہنما بنایا۔

قائداعظم ان سے بہت متاثر تھے اور کہا کرتے تھے کہ میں مسلمانوں کا گوکھلے بنوں گا۔

نومبر ۱۹۰۹ء میں وائسرائے کی مجلس منتظمہ کے ارکان کی تعداد بڑھا دی گئی اور اس کا نام امپیریل لیجسلیٹو کونسل رکھا گیا۔ جس میں ۳۵ نامزد ارکان لیے گئے اور ۲۵ ارکان بذریعہ انتخاب آئے۔ قائداعظم بمبئی کے مسلم حلقہ سے اس کونسل کے رکن منتخب ہوئے۔ اس کا سب سے پہلا اجلاس کلکتہ میں ہوا۔ اس وقت لارڈ منٹو ہندوستان کے وائسرائے تھے۔ پہلے ہی موقعہ پر آپ کی لارڈ منٹو وائسرائے ہند سے جھڑپ ہوگئی۔ آپ نے جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں سے انگریزوں کے سلوک کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ”یہ ایک بڑا تکلیف دہ مسئلہ ہے کیونکہ جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں سے جو سنگدلانہ اور ظالمانہ سلوک کیا جا رہا ہے، اس نے ملک کے ہر طبقہ میں غم و غصہ کی لہر پیدا کر دی ہے۔“

اس پر وائسرائے نے آپ سے کہا کہ ”فاضل مقرر آداب مجلس کا خیال رکھیں۔ لفظ ”ظالمانہ“ بہت سخت ہے۔ فاضل مقرر کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ برطانیہ کے ایک دوست رکن کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں۔ گفتگو صورت حال کے مطابق ہونی چاہیے۔“

اس پر قائداعظم نے فرمایا۔

> ”جناب والا! میں اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ کہتا لیکن میں موجودہ کونسل کی ہیئت سے بخوبی واقف ہوں اور نہیں چاہتا کہ ایک لمحہ کے لیے بھی حدود سے تجاوز کروں۔ تاہم اتنا ضرور کہوں گا کہ جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں سے جو سلوک کیا جا رہا ہے وہ انتہائی ظالمانہ ہے“۔

مسلم لیگ

مسلمانوں کی تعلیمی پستی کو دیکھ کر سرسید احمد خاں مرحوم نے علماء کی مخالفت کے باوجود مسلمانوں کو انگریزی زبان سیکھنے کی طرف توجہ دلائی اور علی گڑھ میں ایک کالج قائم کیا جس سے بعض نوجوانوں نے تعلیم حاصل کر کے سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ چونکہ اس کالج کی بنیاد ایک خاص نقطہ نظر سے رکھی گئی تھی اور وہ یہ کہ مسلمانوں میں بھی زندگی کی روح پیدا کی جائے، اس لیے یہ لوگ ایک خاص ذہنیت کے ڈھل کر نکلے تھے۔ لیکن اس وقت کانگرس کے علاوہ کوئی ایسی جماعت نہ تھی جس میں شریک ہو کر وہ سیاسیات میں حصہ لے سکتے۔

تقسیم بنگال کا مسئلہ:

انہی ایام میں برطانوی حکومت نے بعض انتظامی ضروریات کے پیش نظر بنگال کو دو حصوں می تقسیم کر دیا۔ یہ صوبہ آبادی کے اعتبار سے بہت بڑا صوبہ تھا اور خیال تھا کہ دو صوبے بن جانے سے اس کے انتظام میں آسانی ہو جائے گی۔ لیکن اس میں ایک ایسی صورت حال پیدا ہوتی تھی جو ہندو کو منظور نہ تھی۔ متحدہ بنگال میں ہندوؤں کی اکثریت تھی۔ دو بنگال بن جانے سے مشرقی بنگال مسلمانوں کی اکثریت ہو جاتی۔ جس کے لیے ہندو کسی صورت میں تیار نہیں تھے۔ دوسرے مشرقی بنگال کی تمام مسلم آبادی مفلس و قلاش تھی۔ اور ہندو سرمایہ دار حکومت کے انتظامی معاملات سے کوئی واسطہ نہ ہو۔

س۔ باقی ماندہ ارکان کی نامزدگی ان عہدیداران سے کی جائے جو کم سے کم دس سال ہندوستان میں ملازمت کر چکے ہوں یا دس سال سے زائد عرصہ تک ہندوستان میں مقیم رہے ہوں۔

ہندو مسلم اتحاد کی کوشش:

۱۹۱۳ء میں قائداعظم نے لیگ میں شرکت کی پیش کش کو محض اس لیے قبول کر لیا تھا کہ وہ خود اب محسوس کرتے تھے کہ ہم اس وقت تک شاید آزادی سے ہم کنار نہیں ہو سکتے جب تک ملک کی تمام قوموں میں کامل یک جہتی اور اتحاد نہ ہو اور ان میں بھی جب تک ملک کی دو بڑی قوموں ہندو اور مسلمانوں میں ایک دوسرے کے متعلق اچھے جذبات پیدا نہیں ہوتے۔ اس وقت تک آزادی کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا۔

قائداعظم کا خیال تھا کہ وہ بیک وقت کانگرس اور لیگ کے رکن رہتے ہوئے دونوں ایک ایک دوسرے کے زیادہ سے زیادہ قریب لا کر ایک متحدہ محاذ قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے چنانچہ قائداعظم نے آخری وقت تک ہندو مسلم اتحاد کی پر خلوص کوشش کی اور ہر ممکن طریقے سے دونوں قوموں کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں لگے رہے۔ یہی اسباب تھے جن کی بنا پر مسٹر گوکھلے اور مسز سروجنی نائیڈو آپ کو "ہندو مسلم اتحاد کے پیغمبر" کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔

مئی ۱۹۱۴ء میں آپ کانگرس کے نمائندہ کی حیثیت سے پھر انگلستان تشریف لے گئے اور وزیر ہند سے مل کر انڈیا کونسل بل کے سلسلے میں کانگرس کے خیالات ان کے سامنے رکھے۔ اس موقعہ پر سر ولیم ویڈربرن نے آپ کے اعزاز میں پیلس ہوٹل میں ایک شاندار دعوت دی جس میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا کہ وزیر ہند کی کونسل میں ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو عوام کے جذبات و احساسات کی صحیح ترجمانی کر سکیں۔ ورنہ اس کی حیثیت بیکار محض ہوگی اور یہ صرف کانگرس کا ہی مطالبہ نہیں ہے بلکہ مسلم لیگ بھی اس مطالبہ کی حامی ہے۔ آپ نے اپنی تقریر میں کانگرس کے منظور شدہ ریزولیوشن کا اعادہ کیا۔

پہلی جنگ عظیم:

اس دوران میں یورپ میں پہلی جنگ عظیم کے شعلے بلند ہونے لگے اور قائداعظم اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

۱۹۱۴ء کی اس جنگ عظیم میں کانگرس اور مسلم لیگ نے اپنے اختلافات کو نظر انداز کرتے ہوئے حکومت کی امداد کا اعلان کر دیا۔ اور ہندوستانیوں نے دل کھول کر فوج اور روپے سے انگریزوں کی مدد کی۔ ہندوستانی فوجوں نے بصرہ، بغداد قط العمارہ پر قبضہ کرلیا۔ اس کے علاوہ ہندوستانی فوج نے فلسطین میں داخل ہو کر بیت المقدس حلب اور موصل بھی فتح کر لئے۔

جس وقت جرمنی کا فوجی سیلاب بڑی تیزی کے ساتھ بلجیم کو پامال کرتا ہوا پیرس کی طرف بڑھ رہا تھا، اس وقت بھی ہندوستانی فوجوں نے ہی اس پیش قدمی کو روکا۔ عرب اور مصر میں بھی ہندوستانی افواج نے قیمتی خدمات سرانجام دیں۔ آخر اس جنگ میں جرمنی اور ترکی کو شکست ہوئی۔ اور ۱۱ نومبر ۱۹۱۸ء کو دن کے گیارہ بجے عارضی صلح کا اعلان ہو گیا اور یہ تباہ کن جنگ ختم ہوئی۔

حکومت خود اختیاری کا مطالبہ:

دسمبر ۱۹۱۴ء میں کانگرس کا جو اجلاس ہوا اس میں پہلی مرتبہ کانگرس نے موجودہ طرز حکومت سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے مطالبہ کیا اس جنگ میں ہندوستانیوں نے انگریزوں کی جو بیش بہا خدمات انجام دی ہیں، انہیں اس ایثار و قربانی کا معاوضہ ملنا چاہیے۔ اور ہندوستان کو حکومت خود اختیاری دینی چاہیے۔ قائداعظم کی مساعی سے مسلم لیگ نے بھی اس مطالبے کی حمایت کی۔

۱۹۱۵ء میں کانگرس کا اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا۔ قائداعظم نے مقامی مسلمان رہنماؤں کے صلاح و مشورے سے لیگ کو مشورہ دیا کہ وہ بھی اس موقعہ پر بمبئی میں اپنا سالانہ اجلاس منعقد کرے۔ اس سے صرف یہ مقصود تھا کہ دونوں جماعتوں کو

زیادہ سے زیادہ ایک دوسرے کے قریب لایا جائے۔ لیکن بعض سرکار پرست مسلمان اس کے خلاف تھے۔

وہ نہیں چاہتے تھے کہ خواہ مخواہ حکومت سے جھگڑا مول لیا جائے لیکن قائداعظم ایک ایسا دل و دماغ رکھتے تھے کہ جس مسئلے کو ایک دفعہ درست سمجھ لیتے تھے اس پر چٹان کی طرح جم جاتے تھے۔

اگرچہ رجعت پسند اس اجلاس کے انعقاد کی مخالفت کر رہے تھے مگر لیگ کونسل بمبئی میں اجلاس کے انعقاد کا فیصلہ کر چکی تھی۔ مخالفین نے بڑی غلط بیانی سے کام لیا اور مشہور کر دیا کہ جناح مسلم لیگ کو کانگرس میں مدغم کر دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن آپ نے بڑے صبر و تحمل سے قوم کو سمجھایا کہ یہ اس لیے کیا جا رہا ہے کہ دونوں جماعتیں جو ایک مشترکہ نصب العین متعین کر چکی ہیں اس کو حاصل کرنے کے لیے متحدہ اور مشترکہ جدوجہد شروع کریں۔

چنانچہ مسٹر مظہر الحق کی صدارت میں لیگ کا اجلاس ہوا۔ جس میں کانگرسی لیڈروں نے بھی شرکت کی۔ مخالفین نے اس موقعہ پر جلسے کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی۔ حکومت بھی نہیں چاہتی تھی کہ دونوں مل جائیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ٹوڈیوں کی شرارت اور پولیس کی مداخلت سے جلسہ برخاست ہو گیا۔ اس کے بعد تاج ہوٹل میں جلسہ ہوا۔ جہاں قائداعظم نے تجویز پیش کی کہ اصلاحات کی سکیم تیار کرنے کے لیے لیگ اور کانگرس کے ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی جائے۔ آپ نے وضاحت سے فرمایا کہ ان اصلاحات کی تیاری میں مسلم حقوق کی حفاظت کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔ اس مشکل کا حل صرف جداگانہ انتخاب میں ہے اور یہ پالیسی کے اعتبار سے نہیں بلکہ مسلمانوں کی ضرورت کے اعتبار سے ہے۔ دونوں جماعتیں جب ان اصلاحات کو منظور کر لیں گی تو انہیں حکومت کے سامنے رکھا جائے گا، چنانچہ لیگ اور کانگرس کی ایک مشترکہ مجلس اصلاحات مقرر کی گئی جس نے کلکتہ میں ان اصلاحات

کو مرتب کیا۔

میثاق لکھنؤ:

اس کے بعد لکھنؤ میں لیگ اور کانگرس کے سالانہ اجلاس ہوئے جس میں مشترکہ طور پر آزادی کی جدوجہد میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا گیا۔ لیگ کے اس اجلاس کی صدارت قائداعظم نے کی اور ہندو مسلم اتحاد کا پیامبر جہاں دونوں قوموں کو اکٹھا کرنے میں کامیاب ہوا وہاں اس نے مسلمانوں کے مطالبات کو جرأت، دلیری اور بے باکی سے پیش کر کے مسلمانوں کو صحیح نمائندگی کا ثبوت دیا۔ اگرچہ اس کے بعد برصغیر کے بعض مقامات پر ہندو مسلم فسادات ہوئے جن میں مسلمانوں کو شدید مالی اور جانی نقصان برداشت کرنا پڑا۔ لیکن اس کے باوجود مسلمانوں نے انتہائی فراخ دلی سے کام لے کر اس اتحاد کو قائم رکھنے کی کوشش کی۔

تحریک ہوم رول:

پہلی جنگ عظیم میں ہندوستانیوں نے انگریزوں کی بڑھ چڑھ کر مدد کی تھی۔ اس لیے ملک کی سیاسی جماعتوں کا متفقہ مطالبہ تھا کہ ان خدمات کے صلے میں ہندوستان کو آزادی مل جائے لیکن انگریز ٹال مٹول کر رہے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسز اینی بینٹ نے ملک میں مسلم سول تحریک کا آغاز کیا۔ قائداعظم اس تحریک کے سرگرم رکن تھے۔ حکومت نے مسز اینی بینٹ گرفتار کر لیا اور سختی سے اس تحریک کو دبانے کی کوشش کی۔ اس موقعہ پر بڑے بڑے بہادر لیڈروں کے جی چھوٹ گئے مگر قائداعظم کو کوئی دھمکی بھی ان کی راہ سے نہ ہٹا سکی۔ آپ نے اپنی مجاہدانہ سرگرمیوں سے ہوم رول تحریک میں ایک نئی زندگی پیدا کر دی۔ اسی زمانے میں آپ نے سر ڈنشا کی بیٹی رتن بائی سے شادی کی اور لارڈ ولنگڈن گورنر بمبئی کی الوداعی پارٹی کو ناکام بنایا۔

ہندوستان میں تحریک آزادی کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو دیکھتے ہوئے مسٹر مانٹیگو وزیر ہند کو اعلان کرنا پڑا کہ ہم آہستہ آہستہ تمام اختیارات حکومت ہندوستانیوں

کے سپرد کرنے کو تیار ہیں۔ چنانچہ مسٹر مانٹیگو ہندوستان آئے اور لارڈ چیمسفورڈ وائسرائے ہند کے ساتھ مل کر ایک رپورٹ تیار کی۔ جسے ۱۹۱۸ء میں پارلیمنٹ نے منظور کرلیا۔ یہ سفارشات ۱۹۱۹ء کی اصلاحات کے نام سے مشہور ہیں۔

رولٹ ایکٹ:

یہ سفارشات چونکہ ہندوستانیوں کے مطالبات سے بہت کم تھیں اس لیے انہوں نے انھیں قبول کرنے سے انکار کردیا۔ انہی ایام میں جب کہ اصلاحات کے خلاف آواز بلند کی جارہی تھی، حکومت نے رولٹ ایکٹ منظور کرلیا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ تحریک آزادی میں حصہ لینے والوں کو سنگین سزائیں دی جاسکیں۔ اس پر ملک میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑک اٹھی۔ لوگوں نے سرکاری عمارات کو جلا دیا۔ کئی انگریز مارے گئے۔ امرتسر میں عوام نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ بنک جلا دیئے گئے اور سامان لوٹ لیا گیا۔ پنجاب میں بھی ہر جگہ اودھم مچا ہوا تھا۔ مگر امرتسر اس تحریک کا مرکز تھا۔ حکومت نے ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر ستیہ پال کو گرفتار کر لیا۔ جس سے عوام میں بے حد رنج وغصہ اور ہیجان اور اضطراب پیدا ہو گیا۔ حکومت کے اس اقدام کے خلاف آواز بلند کرنے کے لیے امرتسر کے جلیانوالہ باغ میں ایک عظیم الشان جلسہ ہوا جس میں بکثرت ہندوستان شریک ہوئے۔ اس موقعہ پر جنرل ڈائر کے حکم سے اس مجمع پر گولی چلا دی گئی۔ جس سے سیکڑوں لوگ ہلاک و مجروح ہوئے اور صوبے میں مارشل لا نافذ ہو گیا۔

تحریک خلافت اور ہجرت:

انہی ایام میں جہاں انگریزوں نے ہندوستانیوں سے وعدہ خلافیاں کیں، وہاں اپنی اسلام دشمنی کی وجہ سے اسلامی ممالک کی وحدت کو بھی پارہ پارہ کردیا۔ جرمنی کی شکست کے ساتھ ترکوں کو بھی شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس موقعہ پر انگلستان کے وزیراعظم لائیڈ جارج نے صلح کے لیے ترکوں کے سامنے ذلت آمیز شرائط پیش کی

جس کی وجہ سے اسلامی ممالک میں انگریزوں کے خلاف شدید غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔

ہندوستان میں انگریزوں کے اس رویئے کے خلاف تحریک خلافت شروع ہوئی۔ مولانا محمد علی جوہر اور ان کے بھائی مولانا شوکت علی اس تحریک روح رواں تھے۔ تحریک خلافت نے ہندوستان کے لوگوں میں جرأت و بہادری اور ذمہ داری کا بے پناہ جذبہ پیدا کر دیا۔ اس موقعہ پر گاندھی جی نے ان کی حمایت کی۔ یہ عدم تعاون اور ترک موالات کا زمانہ تھا۔ جس کے باعث دونوں قوموں نے مشترک طور پر اس جدوجہد کو جاری کیا۔ ہزاروں نہیں لاکھوں ہندوستانی جیلوں میں چلے گئے۔ متعدد مقامات پر پولیس کو لاٹھی چارج کرنا پڑا گولی بھی چلانی پڑی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سینکڑوں نوجوان آزادی پر قربان ہو گئے۔ اس تحریک میں مسلمانوں کا کردار سب سے بلند تھا۔ انہوں نے سرکاری ملازمتیں چھوڑیں۔ تعلیم کو خیر باد کہا۔ قائداعظم کو ان چیزوں سے اتفاق نہ تھا۔ اور انہوں نے انجام سے بے پرواہ ہو کر علی الاعلان ان کی مخالفت کی۔ وہ آزادی کے حصول میں پر قربانی دینے کو تیار تھے لیکن یہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان سرکاری ملازمتوں اور تعلیم کو ہی ترک کر دیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سرسید مرحوم کی کوششوں کے باوجود مسلمان اپنی ہمسایہ قوم سے تعلیم اور سرکاری ملازمتوں میں بہت پیچھے رہ گئے۔ اور آج ہم محسوس کرتے ہیں کہ قائداعظم نے کس قدر صحیح سوچا تھا۔

صرف یہی نہیں بلکہ علماء نے جہاں انگریزی تعلیم اور سرکاری ملازمت کے خلاف فتوے دیئے وہاں ہندوؤں کی چالوں میں آ کر ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر مسلمانوں کو یہاں سے ہجرت کر جانے کا فتویٰ دے دیا۔ قائداعظم نے اس تحریک کی شدید مخالفت کی۔ اگرچہ قوم نے ہنگامی جوش میں آ کر قائداعظم کی ایک نہ سنی۔ لیکن آپ کی مخالفت کے اس تند سیلاب میں بھی ایک مضبوط چٹان کی طرح ڈٹے رہے۔ آخر حالات نے ثابت کر دیا کہ قائداعظم کا نظریہ ہی درست تھا۔ لیکن

اس ہنگامی جوش کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے اپنی جائدادیں اونے پونے ہندوؤں کے ہاتھ فروخت کر دیں اور ہندوستان چھوڑ کر افغانستان چلے گئے۔ وہاں کسی نے انہیں منہ تک نہ لگایا۔ آخر مصیبتیں اور مشکلیں برداشت کرتے ہوئے پھر ہندوستان لوٹ آئے۔ مگر اس عرصہ میں لکھ پتی لوگ کنگال ہو چکے تھے۔ اس طرح ان تحریکوں نے مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچایا۔

تحریک ترک موالات کے متعلق قائداعظم کے خیالات یہ تھے کہ گاندھی جی کا وضع کردہ پروگرام ملک کو غلط راستے پر لے جا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا ''اگر گاندھی جی کا پروگرام ملک کو آزادی کی منزل پر لے جانے والا ہوتا تو سب سے پہلے ہی اس تحریک میں شامل ہوتا۔ آپ نے تعلیمی اداروں کے مقاطعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ''میں نہیں سمجھ سکتا کہ ہمارے نوجوان تعلیم کو چھوڑ کر کیا کریں گے۔ میں نے اس سلسلے میں بہت سے دوستوں سے گفتگو کی ہے۔ مگر مجھے کوئی بھی تسلی بخش جواب نہیں دے سکا۔ صرف یہی کہا گیا کہ گاندھی جی کا حکم ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حکومت کا مقابلہ کرنے کے لیے فوجی طاقت کی ضرورت ہے اور یہاں کیا جا رہا ہے کہ سکولوں کو چھوڑ کر چرخہ کاتا کرو۔ ترک موالات اور عدم تشدد کے نظریات اگر کامیاب ہو گئے تو یہ معجزہ سے کم نہ ہو گا۔''

☆

کانگرس سے علیحدگی

قائداعظم محمد علی جناح نے جب دیکھا کہ گاندھی جی کی تحریک موالات ملک کو ایک غلط راستے پر لئے جارہی ہے اوران کے سیاسی خیالات کانگرس کی روش سے مختلف ہیں تو انہوں نے ۱۹۲۰ء میں کانگرس سے علیحدگی اختیار کرلی۔قائداعظم اس خیال کے حامی تھے کہ کونسلوں میں جاکر جدوجہد کو جاری رکھنا چاہئے۔انہی حالات کے پیش نظر مشہور بنگالی لیڈر مسٹرسی۔آر۔داس نے کانگرس سے علیحدہ ہوکر سوراج پارٹی کی بنیاد رکھی۔یہ بھی کونسلوں میں جانے کے حامی تھے۔کچھ مدت کے بعد کانگرس اور خلافت نے کونسلوں میں جانے کی اجازت دے دی۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کانگرس اور سوراج پارٹی کے درمیان سمجھوتہ ہوگیا۔مگر قائداعظم ایک آزاد امیدوار کی حیثیت سے میدان انتخاب میں آئے۔کانگرس نے قائداعظم کے مقابلے میں اپنا امیدوار کھڑا کیا۔لیکن بمبئی کی مسلم رائے عامہ قائداعظم کے ساتھ تھی۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مخالف امیدوار دست بردار ہوگئے اور قائداعظم بلا مقابلہ کونسل کے رکن منتخب ہوگئے۔

ہندو مسلم اتحاد کی آخری کوشش:

تحریک ترک موالات اور خلافت کے بعد ہر شہر میں جابجا ہندو مسلم فسادات کے ہنگامے شروع ہوگئے۔لیکن اس کے باوجود قائداعظم اپنے خیالات پر مضبوطی سے ڈٹے ہوئے تھے کہ ملک کی آزادی صرف ہندو مسلم اتحاد کے ذریعے ہی سے حاصل کی جاسکتی ہے۔گاندھی جی نے قائداعظم کے ان خیالات سے اتفاق کیا۔مگر دوسرے ہندو لیڈر ملکی سیاسیات میں مسلمانوں کو کوئی درجہ دینے کو تیار نہ تھے۔ان کا سب سے اہم مطالبہ یہ تھا کہ مسلمان جداگانہ انتخاب کو ترک کرکے مخلوط انتخاب کو منظور کرلیں۔لیکن قائداعظم اس کے لیے راضی نہ ہوئے۔حالانہ آپ ذاتی طور پر

اس کو پسند کرتے تھے لیکن مسلمانوں کی ملک میں جو حالت تھی اس کے پیش نظر وہ جداگانہ انتخاب کو ہی ضروری خیال کرتے تھے۔

آپ نے دہلی میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ''مجھے افسوس ہے کہ ابھی تک کوئی ذمہ دار ہندو کانگرسی لیڈر مسلمانوں کے سیاسی مستقبل کے بارے میں کوئی قابل عمل فارمولہ پیش نہیں کرسکا۔ اس وقت ملک میں فرقہ وارفسادات کی آگ لگی ہوئی ہے۔ مخلوط انتخاب سے ہم اپنی یہ جنگ نہیں جیت سکتے۔ اگر دونوں قوموں کے درمیان جو اختلافات ہیں وہ دور ہو جائیں تو یقین مانئے کہ ہم آدھی جنگ جیت جائیں گے۔ مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ ہندو فراخ دلی کا ثبوت دیں۔ ہندو مسلم اتحاد کنجی ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے''۔ لیکن ہندو لیڈر مخلوط انتخاب پر مصر تھے۔ چونکہ قائداعظم کی نگاہ میں ہندو مسلم اتحاد ہی ملکی آزادی کا پیش خیمہ تھا۔ اس لیے آپ نے دہلی میں مسلمان رہنماؤں کا ایک اجلاس طلب کیا اور محض ہندو مسلم اتحاد کی خاطر ان کو ان مطالبات پر آمادہ کرلیا۔

۱۔ سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کر کے الگ صوبہ بنایا جائے۔

۲۔ شمال مغربی سرحدی صوبہ اور بلوچستان میں دوسرے صوبہ کی طرح اصلاحات جاری کی جائیں۔ اس صورت میں مسلمان مخلوط انتخاب کو قبول کرلیں گے۔ علاوہ ازیں مسلمان ہندو اقلیتوں کو اپنے اکثریت کے صوبوں میں وہی مراعات دیں گے جو ہندو اکثریت والے صوبے مسلمان اقلیتوں کو دیں گے۔

۳۔ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کو ان کی آبادی کے تناسب پر نمائندگی دی جائے۔ مرکزی اسمبلی میں مخلوط طریق انتخاب سے مسلمانوں کی نمائندگی ایک تہائی سے کم نہ ہوگی۔

اگرچہ مسلمان جداگانہ انتخاب کو کسی قیمت پر بھی ترک کرنے کو تیار نہ تھے۔ تاہم قائداعظم نے محض ہندو مسلم اتحاد کی خاطر مسلم مسلمانوں کو اس بڑی قربانی پر بھی

آمادہ کرلیا۔

اگر چہ مسلمانوں کے یہ مطالبات انصاف پر مبنی تھے اور اس پر مولانا محمد علی اور ڈاکٹر انصاری بھی دستخط کر چکے تھے۔لیکن تنگ نظر لیڈر اور ہندو پریس نے ان مطالبات کی شدید مخالفت شروع کردی۔

مئی ۱۹۲۷ء میں بمبئی میں کانگرس کا سالانہ اجلاس ہوا جس میں ان تجاویز پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے انہیں قبول کرلیا گیا۔لیکن مہا سبھائی لیڈروں نے کانگرس کے اس طرز عمل پر شدید نکتہ چینی کی۔

ان کوششوں کے باوجود ملک کی فرقہ وارانہ فضا صاف نہ ہوئی۔اس کے بعد بمبئی اور شملہ میں یونٹی کانفرس کے اجلاس ہوئے۔اور قائد اعظم نے بار بار ہندو مسلم اتحاد کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے ملک کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ان کا کوئی بہتر نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

سائمن کمیشن نے ۱۹۲۷ء کے اواخر میں وائسرائے ہند نے سائمن کمیشن کے تقرر کا اعلان کیا۔جس کا کام ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں سے مل کر معلوم کرنا تھا کہ ہندوستانی سابقہ اصلاحات میں کہاں تک کامیاب ثابت ہوئے ہیں اور کہاں تک مزید اصلاحات کی ذمہ داری اٹھانے کے قابل ہوئے ہیں۔

چونکہ اس کمیشن میں کسی ہندوستانی سیاست دان کو شامل نہیں کیا گیا تھا اس لیے کانگرس اور لیگ نے مشترکہ طور پر اس کمیشن کے مقاطعہ کے فیصلہ کیا۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں کمیشن کے خلاف غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔اور اس کمیشن کے مقاطعہ میں ہندو مسلم پھر ایک دفعہ اکٹھے ہو گئے۔قائد اعظم نے اس کمیشن کی ہیئت ترکیبی پر سخت نکتہ چینی کی اور عوام کو مشورہ دیا کہ وہ اس کمیشن سے کوئی سروکار نہ رکھیں۔

فروری ۱۹۲۸ء میں سائمن کمیشن ہندوستان میں وارد ہوا۔ اگر چہ سر جان سائمن نے ہندوستانیوں کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ یہ کمیشن ایک آزاد خیال

جماعت ہے جس میں پارلیمنٹ کے ممبر جو نہ حکومت کے آلہ کار ہیں اور نہ عوام کے دشمن ۔لیکن اس یاددہانی کے باوجود قائداعظم نے اس کمیشن کی شدید مخالفت کی ۔

اس موقعہ پر ایک آپ پارٹیز کانفرنس طلب کی گئی، چنانچہ ایک بار پھر ہندو مسلم اتحاد کے شیدائی قائداعظم کو ملک میں اتحاد و اتفاق کے امکانات نظر آئے لیکن مسلمان ہندوؤں کے طرز عمل سے واقف ہو کر جداگانہ انتخاب تو ترک کرنے پر تیار نہ ہوئے تاہم آپ پارٹیز کانفرنس نے بھی متفقہ طور پر کمیشن کے مقاطعہ کا فیصلہ کیا اور ملکی رہنماؤں سے اپیل کی گئی کہ وہ کمیشن سے کوئی سروکار نہ رکھیں ۔

اس موقعہ پر قائداعظم نے مرکزی اسمبلی کے ارکان سے مل کر کمیشن کے مقاطعہ کی حمایت کرتے ہوئے تجویز پیش کی کہ ایک کنونشن میں تمام جماعتوں کو شرکت کی اجازت ہوگی۔

مارچ ۱۹۲۹ء میں مسلم لیگ کا اجلاس دہلی میں منعقد ہوا۔ قائداعظم نے اس اجلاس میں مسلمانوں کے نقطہ نظر سے اصولوں کا ایک خاکہ پیش کیا۔ جو بعد میں قائداعظم کے چودہ نکات کے نام سے مشہور ہوا۔ ان نکات کا لب لباب یہ ہے۔

۱۔ آئندہ آئین وفاقی طرز کا ہوگا۔ جس میں صوبوں کو زیادہ سے زیادہ خود مختاری دی جائے۔

۲۔ تمام صوبوں کو ایک ہی اصول پر داخلی خود مختاری دی جائے ۔

۳۔ تمام مجالس قانون ساز اور دیگر منتخب اداروں میں اقلیتوں کو موثر نمائندگی دی جائے اور یہ خیال رکھا جائے کہ کوئی اکثریت اقلیت میں نہ بدل جائے ۔

۴۔ مرکزی مجلس قانون ساز میں مسلمانوں کی نمائندگی ایک تہائی سے کم نہ ہو۔

۵۔ فرقہ وار نمائندگی جداگانہ طریق انتخاب کے ذریعے اسی طرح قائم رہے گی ۔ اگر کوئی فرقہ کسی وقت جداگانہ طریق انتخاب کو مخلوط طریق انتخاب کے حق میں ترک کرنا چاہے تو وہ ایسا کرنے کا مجاز ہوگا۔

۶۔ اگر کسی وقت ملکی تقسیم کی جدید حد بندیوں کی ضرورت پیش آئی تو یہ کسی صورت میں بھی پنجاب، بنگال اور شمال مغربی سرحدی صوبہ کی مسلم اکثریت پر اثر انداز ہوگی۔

۷۔ تمام مذہبی جماعتوں کو اپنے عقائد طریق عبادت، رسومات میل جول تعلیم و تبلیغ کی مکمل آزادی حاصل ہوگی۔

۸۔ کوئی قانون، ریزولیوشن یا اس کا کوئی حصہ کسی مجلس آئین ساز میں پاس نہیں کیا جائے گا۔ جب تک کسی فرقہ کے تین چوتھائی ارکان اس بنا پر اس کی مخالفت نہ کریں کہ یہ قانون ریزولیوشن یا اس کا کوئی حصہ اس فرقہ کے مفاد کے منافی ہوگا۔

۹۔ سندھ کو احاطہ بمبئی سے علیحدہ کر کے الگ صوبہ بنایا جائے گا۔

۱۰۔ بلوچستان اور شمال مغربی سرحدی صوبہ میں دوسرے صوبجات کی طرح اصلاحات جاری کی جائیں۔

۱۱۔ آئین میں ایسی گنجائش رکھی جائے کہ سرکاری ملازمتوں اور دیگر خود مختار اداروں میں قابلیت کا لحاظ رکھتے ہوئے مسلمانوں کو تسلی بخش حصہ ملے۔

۱۲۔ آئین میں مسلمانوں کی تہذیب وتمدن، زبان وتعلیم، مذہب، پرسنل لا اور اوقاف کا تحفظ ہوگا۔ نیز سرکاری اور دوسرے خود مختار تعلیمی اداروں کو مناسب امداد ملے گی۔

۱۳۔ مرکزی اور صوبائی وزارتیں اس وقت تک قائم نہ کی جائیں جب تک ان میں کم سے کم ایک تہائی مسلمان وزراء شامل نہ ہوں۔

۱۴۔ مرکزی مجلس آئین ساز وفاق ہند کی جملہ ریاستوں کی رضامندی کے بغیر ملک کے آئین میں کوئی تبدیلی نہیں کرے گی۔

ان چودہ نکات کے علاوہ قرارداد میں حسب ذیل شرائط بھی رکھی گئی تھیں۔

بحالات موجودہ مجالس آئین ساز اور دوسرے منتخبہ اداروں میں مسلمانوں کی

نمائندگی جداگانہ طریق انتخاب کے ذریعے قائم رہے گی۔ جب تک سندھ کو بمبئی سے علیحدہ نہیں کیا جائے گا اور صوبہ سرحد میں اصلاحات جاری نہ کی جائیں گی۔ مسلمان مخلوط طریق انتخاب کو قبول نہ کریں گے۔ صوبوں میں مسلمانوں کو تناسب آبادی کے لحاظ سے نشستیں ملیں گی۔ جن صوبجات میں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں انہیں تناسب آبادی سے زائد نشستیں نہیں ملیں گی۔ اقلیت والے صوبوں میں تناسب آبادی کی بناپر فاضل نمائندگی کا سوال بعد میں زیر بحث لایا جا سکتا ہے۔

مسلمانوں میں پھوٹ:

یہ وقت مسلمانوں کے لیے انتہائی نازک تھا۔ انگریز کی طرح ہندو بھی ''پھوٹ ڈالو اور راج کرو'' کے اصول کو اپنا کر مسلمانوں میں نفاق کا بیج بو چکے تھے۔ اکثر مسلمان کانگرس کے ساتھ چمٹے ہوئے تھے اور نہرو رپورٹ کی حمایت اور قائداعظم کی مخالفت کر رہے تھے۔ یہ لوگ نیشنلسٹ مسلمان کہلاتے تھے اور انھیں کے بل بوتے پر گاندھی جی اور دوسرے ہندو لیڈر نہرو رپورٹ کو ایک ''قومی عزم'' کا نام دے چکے تھے۔ ان لوگوں نے مارچ ۱۹۲۹ء میں مسلم لیگ کے نام پر ایک جلسہ کر کے نہرو رپورٹ کو قبول کر لینے کا اعلان بھی کر دیا تھا۔

علامہ اقبال مفکر پاکستان کی حیثیت سے:

۱۹۳۰ء میں الہ آباد میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا جس کی صدارت مفکر اسلام ترجمان حقیقت علامہ اقبالؒ کے سپرد کی گئی۔ آپ نے اس موقعہ پر ایک فیصح و بلیغ خطبہ صدارت ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا کہ:

> ''ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں۔ ان میں کوئی چیز بھی مشترک نہیں اور گذشتہ ایک ہزار سال سے وہ ہندوستان میں اپنی ایک الگ حیثیت قائم رکھے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں نے ہندو مسلم اتحاد کے لیے تمام امکانی کوششیں کر کے دیکھ لی ہیں وہ آزادی کی

جنگ میں کسی دوسری ہمسایہ قوم سے پیچھے نہیں رہے۔ لیکن یہ انتہائی افسوس ناک امر ہے کہ ملک کی اکثریت نے انہیں کبھی بھی قابل اعتنا نہیں سمجھا۔ ان دونوں قوموں کے نظریہ آزادی میں نمایاں فرق ہے۔ اور میں واضح الفاظ میں کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہندوستان کی سیاسی کش مکش کا حل اس کے سوا کوئی نہیں کہ ہر جماعت کو اپنی اپنی مخصوص بنیادوں پر آزادانہ شوریٰ کا حق حاصل ہونا چاہیے۔''

آپ نے فرمایا:

ہندوستان میں ایک قومی وحدت نہیں اور مغربی اصولوں پر یہاں ہم آہنگ قومیت پیدا کرنا سعیٔ لاحاصل ہے۔ ہندوستان ایک برعظیم ہے یہاں ایسی قومیں آباد ہیں جن کا نظریہ حیات کسی مشترک نسلی شعور پر نہیں۔ یہاں تک کہ ہندوؤں میں بھی وحدت فکر ونظر نہیں۔ مسلمان یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ اس برصغیر میں اسلامی ہند کو معرض وجود میں لایا جائے۔ صرف یہی نہیں بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک الگ ریاست قائم کر دی جائے۔ ہندوستان کو حکومت خود اختیاری انگریزی کے زیر سایہ ملے یا اس سے باہر۔ مگر میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ شمال مغربی ہندوستان میں ایک متحدہ اسلامی ریاست کا قیام مسلمانوں کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے۔

آپ نے فرمایا۔

ہندوستان میں ایک متحدہ اسلامی ریاست کا قیام ہندوؤں اور مسلمانوں کے بہترین مفاد پر مبنی ہے۔ اس سے اندرونی طاقتوں میں ایک قسم کا توازن پیدا ہو جائے اور اندرون ملک میں کامل امن و امان

قائم ہو جائے گا۔ مسلمانوں کو یہ فائدہ ہو گا کہ مغربی ملوکیت سے ان پر جو غیر اسلامی اثرات غالب آ چکے ہیں وہ ان سے مخلصی حاصل کرے شرعی قوانین اور اپنے تمدن کو اپنا سکیں گے۔

☆

قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء کا نفاذ

گول میز کانفرنس:

۱۹۲۹ء کے وسط میں لیبر وزارت برسر اقتدار آئی اور مسٹر ریمزے میکڈانلڈ وزیراعظم مقرر ہوئے۔ وزارت کا عہدہ سنبھالنے کے چند یوم بعد ہی قائداعظم نے مسٹر ریمزے میکڈانلڈ کو ایک مکتوب لکھا کہ ''ہندوستانیوں کے دل سے برطانیہ کا اعتماد اٹھ گیا ہے۔ آپ نے لکھا کہ ایک ہی حل اب ان کے لیے قابل قبول ہو سکتا ہے کہ برطانوی حکومت ہندوستان کے نمائندہ لوگوں کی ایک کانفرس بلائے اور برطانوی کے نمائندگان کے ساتھ مل کر کسی قابل قبول نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کرے۔'' قائداعظم نے بھی یہ مطالبہ کیا کہ یہ دعوت نامے براہ راست وزیراعظم کی طرف سے آنے چاہئیں۔ سر جان سائمن نے بھی اپنی رپورٹ میں اس قسم کی تجویز پیش کی تھی۔

چنانچہ ۱۲ نومبر ۱۹۳۰ء کو سینٹ جیمز پیلس لندن میں پہلی گول میز کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس کا افتتاح شہنشاہ جارج پنجم نے کیا۔ برطانی ہند سے پچاس نمائندگان نے اس کانفرنس میں شرکت کی۔ جن میں ایک قائداعظم بھی تھے۔ لیکن کانگرسی نمائندگان نے شرکت سے انکار کر دیا۔

اس کانفرنس میں اگرچہ سائمن کمیشن کی سفارشات سے بہتر سفارشات پیش کی گئیں، لیکن انہیں پسند نہ کیا گیا اور صرف اس پر اتفاق ہوا کہ ہندوستان کا آئندہ نظام حکومت وفاقی ہوگا۔ جس میں ریاستیں بھی شامل ہوں گی۔ صوبے اندرونی طور پر آزاد ہوں گے۔ مرکز کے پاس وہ محکمے ہوں گے جن کا تعلق سارے ملک کے ساتھ ہوگا۔ مگر فوج اور مالیات پر برطانیہ کا ہی اختیار رہے گا۔

دوسری گول میز کانفرنس میں کانگرسی نمائندے بھی گاندھی جی کی قیادت میں

شریک ہوئے۔ مسلمانوں کے وفد کے قائد سر آغا خاں تھے۔ اس میں زیادہ تر فرقہ واریت پر بحث ہوتی رہی۔ لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ آخر اس کا فیصلہ وزیراعظم پر چھوڑ دیا گیا۔ البتہ اس کانفرنس میں صوبہ سرحد کو گورنری صوبہ بنا کر اس میں اصلاحات نافذ کر دی گئیں۔

ہندوستان کی سیاست اس نہج پر جا رہی تھی کہ ہندو مسلم اتحاد کا خواب شرمندہ تعبیر ہوتا نظر نہ آ رہا تھا۔ اس لیے قائداعظم کو سخت مایوسی ہوئی اور آپ نے ہندوستان کی سیاسیات سے الگ ہو کر انگلستان میں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔

تیسری گول میز کانفرنس میں علامہ اقبال بھی شریک ہوئے۔ جنہوں نے الہ آباد میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں مسلمانوں کے ایک علیحدہ آزاد ریاست کا مطالبہ کیا تھا۔ کانگریسی نمائندے اس کانفرنس میں بھی شریک نہ ہوئے۔ اس کانفرنس میں سندھ اور اوڑیسہ کی علیحدگی کا فیصلہ کیا گیا۔

جب ہندوؤں اور مسلمانوں میں سمجھوتے کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی تو مسٹر ریمزے میکڈانلڈ نے اپنے فیصلہ اعلان کر دیا جو کمیونل ایوارڈ یا فرقہ وار اعطاء کے نام سے مشہور رہے۔ ہندوؤں اور سکھوں نے اس فیصلے کو ماننے انکار کر دیا۔ مسلمان بھی اگرچہ خوش نہ تھے تاہم انہوں نے اسے قبول کر لیا۔

اس فرقہ وار فیصلہ میں اچھوتوں کو ہندوؤں سے علیحدہ نمائندگی کا حق دیا گیا تھا۔ گاندھی جی بڑے ہوشیار سیاست دان تھے۔ انہوں نے سوچا کہ اگر اچھوت ہندوؤں سے علیحدہ ہو گئے تو ہندو راج کا منصوبہ کبھی بھی مکمل نہ ہو سکے گا۔ اس پر انہوں نے مرن برت رکھ لیا۔ اس دھمکی نے اثر کیا اور پونا کے مقام پر ہندوؤں اور اچھوتوں میں ایک معاہدہ ہو گیا جو "پونا پیکٹ" کے نام سے مشہور ہے اس معاہدے کی رو سے اچھوتوں نے ہندوؤں کے ساتھ مشترکہ انتخاب کے اصول کو تسلیم کر لیا۔ اس پر برطانوی حکومت نے کمیونل ایوارڈ میں اس معاہدہ کے مطابق ترمیم کر دی۔

قائداعظم نے اب مستقل طور پر لندن میں قیام کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اس فیصلہ کی اطلاع جب ہندوستان میں پہنچی تو یہاں کے اخبارات نے لکھا کہ قائداعظم کی یہ خواہش ہے کہ دادا بھائی نورو جی کی طرح ایوان عام کی ممبری حاصل کر کے ہندوستان کی آزادی کے لیے آئینی جنگ لڑ سکیں۔

قائداعظم نے علی گڑھ کے طلباء کے سامنے ۱۹۳۸ء میں تقریر کرتے ہوئے اپنے قیام لندن کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

> ''گول میز کانفرنس میں جو حالات پیدا ہوئے انہوں نے میری زندگی پر بہت برا اثر کیا۔ ہندوؤں کے جذبات، احساسات اور طرز عمل سے میں اس نتیجہ پر پہنچ گیا تھا کہ ملک میں ہندو مسلم اتحاد کی تمام امیدیں ختم ہو چکی ہیں۔ میں ملک کے مستقبل کے متعلق قطعی طور پر مایوس ہو چکا تھا۔ اور یہ انتہائی بدبختی کی دلیل تھی۔ ملک میں مسلمانوں کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ وہ مختلف جماعتوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ٹوڈی قسم کے کچھ لوگ حکومت کی گود میں کھیل رہے تھے اور کچھ کانگرس کے کھونٹے پر ناچ رہے تھے۔

ان حالات میں میں نے محسوس کیا کہ نہ تو میں ملک کی کوئی خدمت کر سکتا ہوں، نہ ہندو ذہنیت میں کوئی تبدیلی پیدا کر سکتا ہوں اور نہ میں مسلمانوں کی کوئی صحیح خدمت میں انجام دے سکتا ہوں۔ ان حالات و واقعات نے مجھے سخت مایوس کر دیا تھا۔ اس بنا پر میں نے لندن میں قیام کر فیصلہ کرلیا تھا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مجھے اپنے وطن سے محبت نہ تھی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ میں قطعی طور پر مایوس ہو چکا تھا۔

قائداعظم نے لندن میں ایک مکان لے کر وہاں رہنا شروع کر دیا۔ اگرچہ کچھ مدت تک ان کی لندن میں وہی حالت رہی جو کبھی بمبئی میں تھی لیکن جلد ہی قائداعظم

نے وہاں اپنے لیے ایک اچھا مقام پیدا کر لیا اور کچھ مدت کے بعد اپنی بہن فاطمہ جناح کو بھی اپنے پاس لندن میں بلا لیا۔

لندن سے واپسی:

پانچ سال تک لندن میں قیام کرنے کے بعد قائداعظم ۱۹۳۵ء میں وطن واپس لوٹے۔ اس دوران میں آپ نے لندن میں نمایاں حیثیت حاصل کر لی تھی۔ لیکن ملک اور مسلمانوں کی حالت دیکھ کر آپ کا دل ہر وقت کڑھتا رہتا تھا۔ اس دوران میں آپ نے اتاترک کی زندگی کا گہری نظر سے مطالعہ کیا۔

۱۹۳۳ء میں نواب زادہ لیاقت علی خاں جو تحریک پاکستان میں قائداعظم کے دست راست رہے اور پاکستان بن جانے کے بعد پاکستان پہلے وزیراعظم بنے، شادی کرنے کے بعد ہنی مون منانے کے لیے لندن گئے اور قائداعظم کے مکان پر حاضر ہو کر درخواست کی کہ آپ ایسے مخلص اور نڈر لیڈر کی مسلمان قوم کو اشد ضرورت ہے۔ مسلم لیگ اس وقت نہایت نازک حالت میں تھی۔ اس کا کوئی لیڈر نہ تھا۔ اس کے روپے کا بہت غلط استعمال ہو رہا تھا۔ نواب زادہ لیاقت علی خاں کا یقین محکم تھا کہ سوائے قائداعظم کے کوئی دوسرا شخص مسلم لیگ اور مسلمانوں کو اس مصیبت سے نجات نہیں دلا سکتا۔ لیکن قائداعظم واپس آنے کے لیے بالکل تیار نہ تھے وہ مسلم قوم اور ملک کی موجودہ سیاست سے سخت مایوس ہو چکے تھے۔ اس لیے انہوں نے پہلی بار نواب زادہ کی اس خواہش کا کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن نواب زادہ مرحوم کا اصرار بڑھتا گیا۔ آپ قائداعظم کو مجبور کر رہے تھے کہ آپ کو ضرور واپس چلنا چاہیے۔ لوگوں کو آپ کی ضرورت ہے اور صرف آپ ہی مسلم لیگ میں نئی روح پھونک سکتے ہیں۔ آخر قائداعظم نے فرمایا کہ جمعہ کی شام کو میرے ساتھ کھانا کھائیے۔

کھانے کے بعد نواب زادہ نے پھر اس مسئلے کو چھیڑا اور بیگم لیاقت علی خاں نے

آپ پر زور دیا کہ آپ واپس ہندوستان چلیں۔ آخر آپ نے لیاقت علی خاں سے کہاں کہ آپ واپس جائیں اور ملکی سیاسیات کا جائزہ لیں اور ملک کی تمام جماعتوں کے رہنماؤں کے خیالات دیکھیں مجھے آپ پر پورا بھروسہ ہے اگر آپ تمام حالات کا جائزہ لینے کے بعد مجھے لکھیں گے کہ ملک کو میری ضرورت ہے تو میں واپس چلا آؤں گا۔

قائداعظم کے اس فیصلے سے لیاقت علی خاں بہت خوش ہوئے اور فوراً وطن واپس لوٹنے کا ارادہ کرلیا۔ نواب زادہ صاحب نے وطن پہنچ کر سب سے پہلا کام یہی کیا کہ ملک کے مختلف حصوں کا دورہ کرکے عوام کی رائے معلوم کی۔ انہوں نے سینکڑوں قابل آدمیوں سے مل کر گفتگو کی اور جب انہیں یقین ہوگیا کہ قوم دل سے قائداعظم کو چاہتی ہے تو آپ نے قائداعظم کو تمام حالات سے آگاہ کرتے ہوئے درخواست کی آپ تشریف لے آئیں۔

اسی دوران میں جب کہ آپ ابھی لندن میں تھے اور ملک میں واپس آنے کی تیاریاں کر رہے تھے، اسلامیان بمبئی نے آپ کو مرکزی مجلس آئین ساز کے آزاد ممبر کی حیثیت سے بلا مقابلہ منتخب کر دیا۔ جب قائداعظم انگلستان سے روانہ ہونے لگے تو آپ نے وہ مکان فروخت کر دیا جس میں آپ رہتے تھے بہت سے وکلاء کی یہ خواہش تھی کہ قائداعظم کا نفیس مکان خرید لیں اور جب ایک وکیل نے قائداعظم سے اس کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا۔ یہ آپ کا ہے۔ میں ان بے حقیقت چیزوں کو کوئی اہمیت دیتا۔ میں ہندوستان ایک بہت بڑے مشن پر جا رہا ہوں۔ چنانچہ آپ جنوری ۱۹۳۵ء میں انگلستان سے واپس آگئے اور بمبئی آ کر پھر سے اپنے مکان میں جو ماؤنٹ پلیزنٹ پر تھا آباد ہوئے۔

قانون حکومت ہند ۱۹۳۵ء:

قائداعظم ابھی انگلستان ہی میں تھے کہ شہنشاہ برطانیہ نے قانون حکومت ہند

۱۹۳۵ء کی منظوری دے دی جو ۱۹۴۷ء تک جاری رہا ہے۔

اس قانون کی مدد سے انڈیا کونسل کا خاتمہ ہو گیا۔ اس کی جگہ مشیروں کی ایک مختصر سی جماعت مقرر ہوئی۔ جن کی تعداد کم سے کم تین اور زیادہ سے زیادہ چھ تھی۔ فیصلہ کیا گیا کہ ان میں کم از کم دو مشیر ایسے ہونے چاہئیں جنہوں نے کم از کم دس سال تک ہندوستان میں ملازمت کی ہو۔

ہائی کمشنر کا عہدہ برقرار رہا۔ جس کا فرض تھا کہ بوقت ضرورت ہندوستان کے لیے قرض لے کر ذخائر خریدے اور ہندوستانی طلبا کی نگہداشت کرے۔ اس کا انتخاب گورنر جنرل کے ہاتھ میں تھا۔

اس قانون کی رو سے ہندوستان میں وفاقی نظام حکومت قائم کرنے کی تجویز کی گئی تھی۔ جس میں صوبے اور ریاستیں شامل ہوں۔ برما کو اس فیڈریشن سے علیحدہ کر دیا گیا۔

وفاقی نظام حکومت سے مراد وہ نظام حکومت تھا جس میں صوبے اور ریاستیں اکثر شعبہ جات میں اندرونی طور پر خودمختار اور آزاد ہوتی ہیں۔ مگر بعض شعبے جیسے فوج، ریل، ڈاک، تار معاملات خارجہ اور ہوائی سروس مرکزی حکومت کے ماتحت ہوتے ہیں۔

فیڈریشن کے قیام کے لیے یہ شرط رکھی گئی تھی کہ ہندوستانی جن کی آبادی مجموعی ریاستی آبادی سے نصف ہو اور جن کے نمائندوں کی تعداد ایوان اعلیٰ میں ہندوستانی نمائندوں کی تعداد سے نصف ہو وہ اعلان کریں کہ وہ وفاقی نظام میں شامل ہونے کو تیاری ہیں تو ملک معظم پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں دارالامراء اور دارالعلوم کی درخواست پر ہندوستان کے لیے فیڈریشن کا اعلان کریں گے۔

اس قانون کی رو سے صوبجات کو خودمختاری دے دی گئی اور اندرونی محکمے منتخب وزراء کے سپرد کر دیئے گئے جو مجلس آئین ساز کے روبرو جواب دہ ہوں گے فیصلہ کیا

گیا کہ آئندہ صوبائی مجالس آئین ساز میں نامزد ممبر نہ لیے جایا کریں۔لیکن اس کے ساتھ ہی گورنر کو وسیع اختیارات دے دیئے گئے۔عورتوں کو حق رائے دہی دے کر مجالس آئین ساز میں ان کی نشستیں مخصوص کر دی گئیں۔

مرکز میں ایک وفاقی عدالت ''فیڈرل کورٹ'' قائم کی گئی۔جس میں چیف جج کے علاوہ چھ دوسرے جج تھے۔اس کا صدر دفتر دہلی میں مقرر رہا۔اس عدالت کے روبرو ہائی کورٹ کے فیصلوں کے خلاف اپیلیں پیش ہوتی تھیں۔

ملازمتوں کے تین درجے تھے۔یعنی کل ہندوستان کی ملازمتیں جو وزیر ہند کے ماتحت تھیں۔دوسری وفاقی ملازمتیں۔یہ گورنر جنرل کے ہاتھ میں تھیں اور تیسری صوبائی ملازمتیں جو صوبائی گورنروں کے ہاتھ میں تھیں۔

فیڈرل اور صوبائی ملازمتوں کے لئے پبلک سروس کمیشن قائم کئے گئے جو مقابلہ کے امتحانات کے بعد ملازمتوں کا انتخاب کرتے تھے۔

چونکہ ریاستوں نے وفاقی نظام میں شامل ہونے سے انکار کر دیا تھا۔اس لیے اس قانون کے ایک حصہ پر تو عمل درآمد شروع ہو گیا یعنی صوبوں کو خودمختاری دے دی گئی مگر مرکز میں فیڈریشن قائم نہ ہو سکی۔ملک کو گیارہ صوبوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ان صوبوں کے حاکم اعلیٰ گورنر کہلاتے ہیں۔

فروری ۱۹۳۵ء میں یہ رپورٹ اظہار رائے کے لیے مرکزی اسمبلی میں پیش ہوئی۔اس موقع پر قائداعظم نے ایک معرکۃ الآرا تقریر کی۔آپ نے فرمایا کہ ''یہ سکیم ہرگز قابل قبول نہیں''۔تاہم آپ نے حسب ذیل ترمیم کے ساتھ اس کو منظور کر لینے پر آمادگی کا اظہار کیا جس کا ایک جزو یہ تھا کہ جب تک فرقہ وار تناسب کا کوئی متفقہ فیصلہ نہیں ہو جاتا کمیونل ایوارڈ کو قابل قبول نہ سمجھا جائے۔'' کانگرس اس ترمیم میں غیر جانبدار رہی اور حکومت نے اس کی تائید کی جس کے باعث یہ ترمیم منظور ہو گئی۔ترمیم کے دوسرے حصے میں صوبائی خودمختاری کی تجویز کو اگر غیر تسلی بخش مگر ترقی

پذیر ظاہر کرتے ہوئے قبول کرلیا جاتا تو کبھی پاکستان کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکتا اور مسلمان مستقلاً ہندوؤں کی غلامی کا طوق گردن میں پہن لیتے۔مگر قائداعظم نے بروقت اس خطرے کو بھانپ کر مسلمانوں کو ایک مہلک سیاسی لغزش سے بچالیا۔آپ نے فیڈریشن کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگادیا۔

قضیّہ مسجد شہید گنج:

لاہور کے لنڈا بازار کے قریب مغل عہد حکومت کی ایک پرانی مسجد ہے جس پر مدت سے سکھ قابض تھے۔اس کے قریب ہی کسی بزرگ کا مزار ہے مارچ ۳۵ء میں سکھوں نے مزار کو جانے والے راستے کو بند کر دیا۔اس پر مسلمانوں میں شدید اضطراب و ہیجان پھیل گیا۔انہوں نے ہر ممکن کوشش کی کہ یہ معاملہ امن و آشتی سے طے ہو جائے مگر سکھ نہ مانے اور انہوں نے مسجد کو شہید کر دیا۔اس پر ایک زبردست ہنگامہ بپا ہو گیا۔مسلمان دیوانہ وار مسجد کے بچاؤ کے لیے بڑھے جہاں انگریز کی گولیوں نے ان کا استقبال کیا اور سینکڑوں نوجوان اللہ کے اس گھر پر قربان ہو گئے۔ اس موقعہ پر قائداعظم لاہور تشریف لائے اور مسلمانوں کو صبر و حوصلہ اور آئینی ذرائع اختیار کرنے کی تلقین کی۔

انتخابات:

جدید آئین کے ماتحت ۱۹۳۷ء کے شروع میں انتخابات ہوئے۔اس موقعہ پر ملک میں بڑی سرگرمی کا اظہار کیا گیا۔کانگرس اس سے بہت پہلے انتخابات کی تیاری میں مشغول تھی۔اس نے اپنا ایک انتخابی بورڈ بھی قائم کرلیا تھا۔

۱۹۳۶ء کے شروع میں قائداعظم کی تحریک پر بمبئی میں مسلم لیگ کا جلسہ ہوا جس میں قائداعظم کی زیر صدارت ایک مرکزی انتخابی بورڈ بنایا گیا اور اس طرح از سرنو مسلمانوں میں اجتماعی زندگی کا شعور پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔

مارچ ۱۹۳۶ء میں قائداعظم نے دہلی کے لیگی کارکنان کو خطاب کرتے ہوئے

فرمایا۔

"اگر تم چاہتے ہو کہ دنیا میں ایک باعزت اور باوقار قوم کی حیثیت سے زندہ رہو۔ تو تمہیں آپس میں متحد اور منظم ہو کر ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جانا چاہیے اور اپنے قومی مفادات کے حصول کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دینی چاہیے۔ یاد رکھو اگر تم متحد نہ ہوئے تو دنیا میں تمہارے لیے کوئی جگہ نہ ہوگی اور تم سے کوئی بات تک کرنے کا روادار نہ ہوگا۔ لہذا ضرورت ہے کہ اس اہم قومی کام میں تم سرگرم حصہ لو۔"

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ:

ہندوؤں اور مسلمانوں کو اپنی الگ الگ تنظیم کرنی چاہیے جب یہ دونوں قومیں منظم ہو جائیں گی تو بہتر طریق پر ایک دوسرے کو سمجھ سکیں گی اور اس کے بعد کسی صحیح نتیجے پر پہنچنا دشوار نہ ہوگا۔ اگر ہندوستان کے آٹھ کروڑ مسلمان منظم اور متحد ہو جائیں تو ملک کی آزادی میں شاندار کردار انجام دے سکتے ہیں۔

ان انتخابات کے موقعہ پر گاندھی اگر چہ کانگرس کے کرتا دھرتا تھے مگر ظاہراً طور پر وہ کانگرس کے ممبر بھی نہ رہے تھے اور سب کام جواہر لال نہرو کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ جنہوں نے انتخابات میں سرگرم حصہ لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کانگرس ملک کے گیارہ صوبوں میں سے سات میں اکثریت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی۔

مسلم لیگ نے بھی اگر چہ ان انتخابات میں نمایاں کامیابی حاصل کی مگر بنگال اور سندھ کے علاوہ کہیں بھی خالص مسلم لیگی وزارت قائم نہ ہو سکی۔ سرحد میں اگر چہ مسلمانوں کی آبادی ۹۵ فی صدی تھی۔ مگر وہاں کانگرسی وزارت قائم ہوگئی اور خان عبدالغفار کے بڑے بھائی ڈاکٹر خاں صاحب نے وزارت مرتب کی۔

پنجاب کی حالت سب سے مختلف تھی۔ سر سکندر حیات وزیر اعظم تھے وہ اگر چہ مسلم لیگ کے ساتھ بھی شامل تھے مگر عملی طور پر صوبے پر یونینسٹوں کا قبضہ تھا اور سر

سکندر بھی اس پارٹی کے اقتدار کو قائم رکھنے پر تلے ہوئے تھے۔ پنجاب میں لیگ کی جو جماعتیں تھیں وہ بھی ایک طرح سے سرکاری نوعیت کی تھیں۔ سندھ میں اگرچہ بعد میں مسلم لیگی وزارت قائم ہوگئی تھی۔ مگر ابتدا میں یہاں بھی حالات ناگفتہ بہ ہی رہے۔

کانگرسی وزارتوں میں مسلمانوں پر مظالم:

ملک کے باقی سات صوبوں یو۔ پی، بہار، آسام، اڑیسہ، مدراس، بمبئی اور سی۔ پی میں کانگرس برسر اقتدار آئی۔ اس کامیابی نے ہندوؤں کے ہوش و حواس معطل کر دیئے۔ اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ انہیں رام راجیہ مل گیا ہے۔ انہوں نے ہر جگہ مسلمانوں پر مظالم ڈھانے شروع کر دیئے۔ کانگرس وزارتوں نے مدراس میں بندے ماترم کا گیت گانے کے احکام نافذ کر دیئے۔ سرکاری عمارتوں پر ترنگے جھنڈے لہرانے لگے اور سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کو نظر انداز کر کے اندھا دھند ہندوؤں کی بھرتی شروع ہوگئی۔ گائے کی قربانی کو حکماً بند کر دیا گیا۔ مسلمانوں کو مجبور کیا جانے لگا کہ وہ گاندھی ٹوپی پہنیں، بندے ماترم کا گیت گائیں، چرخہ کاتیں اور کانگرسی جھنڈے کو سلامی دیں۔

اس پر بھی جب ان کے دل کی بھڑاس نہ نکلی تو انہوں نے منظم طریق پر مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ ان مصائب و آلام نے مسلمانوں کو متحد اور منظم ہونے پر مجبور کر دیا اور وہ جوق در جوق لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہونا شروع ہو گئے۔

کانگرسی صوبوں میں جو مظالم مسلمانوں پر ہوئے ان کی تحقیقات کے لیے مسلم لیگ نے ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی۔ جس نے ''پیر پور رپورٹ'' کے نام سے اپنی رپورٹ مرتب کی جس میں ان شرمناک مظالم کی تفصیلات مہیا کی گئی جو اہنسا کے پجاریوں نے مسلمانوں پر روا رکھے تھے۔ یہ رپورٹ اس قدر صداقت سے لبریز تھی

کہ کسی کو بھی ان الزامات کی تردید کی جرأت نہ ہوئی۔

اقبالؒ اور قائداعظم:

ڈاکٹر اقبال ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس الہ آباد میں بحیثیت صدر اپنے خطبہ صدارت میں فرما چکے تھے کہ ''مجھے اس تلخ حقیقت کو بیان کرتے ہوئے صدمہ ہوتا ہے کہ ہم نے ملک میں فرقہ وار اتحاد اور یک جہتی کے لیے جس قدر بھی کوششیں کیں وہ ناکام ہوئیں اگر ہم ان ناکامیوں کے اسباب کا کھوج نکالیں تو بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک فرقہ دوسرے کو مشتبہ نگاہوں سے دیکھتا ہے اور جس فرقہ کے ہاتھ میں اجارہ داری کی باگ ہے وہ فرقہ نہیں چاہتا کہ کوئی اور فرقہ بھی اس کی اجارہ داری میں شریک ہو۔ ان حالات میں واحد حل یہی ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کو علیحدہ آزادانہ حکومت کے قیام کا حق دیا جائے اور اس کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ملا کر مسلمانوں کی ایک الگ سلطنت بنا دی جائے''۔

آپ نے فرمایا:

''مسلمان ایک الگ اور مستقل قوم ہے اور وہ اپنا ایک الگ مستقل مذہب اور تہذیب و تمدن رکھتے ہیں''۔

جب قائداعظم لندن میں تھے اور علامہ اقبال گول میز کانفرنس کے سلسلے میں لندن تشریف لے گئے تو ان کی قائداعظم سے بھی ملاقاتیں ہوئیں اور انہوں نے جانچ لیا کہ یہی مرد حق پرست ہے جس کی محنت اور کوشش سے مسلمانوں کی بگڑی بن سکتی ہے۔ چنانچہ جب قائداعظم ۱۹۳۵ء میں واپس تشریف لے آئے تو علامہ مرحوم نے آپ کو کئی ایک خط لکھے۔ جن میں کچھ کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

۲۸ فروری ۱۹۳۷ء کو علامہ مرحوم نے قائداعظم کو لکھا:

''مجھے کامل یقین ہے کہ آپ کو ہندوستان کے مسلمانوں کی

نزاکت حالات کا پورا پورا احساس ہے۔ جب تک مسلم لیگ خواص کی بجائے عوام کا اعتماد حاصل نہ کرے گی وہ مسلم عوام کے لیے جاذب توجہ نہ ہوگی۔

مسلمان بری طرح محسوس کر رہے ہیں کہ ان کی غریبی اور افلاس ہندو سرمایہ داری کا نتیجہ ہے لیکن اس میں غیر ملکی حکومت کا جو کردار ہے، اس سے ناواقف ہیں۔ لیگ کو سب سے پہلے مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی کی طرف توجہ دینی ہوگی۔ ورنہ مسلم عوام کے لیے اس میں کوئی جاذبیت نہ ہوگی۔ اسلامی شریعت کا بنظر تعمق مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر اس آئین کو اپنا لیا جائے و ت عوام کی کم از کم معاشی حالت سدھر سکتی ہے۔ لیکن اسلامی شریعت کا نفاذ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک ایک آزاد مسلم مملکت کا قیام عمل میں نہ آجائے۔''

۱۱/ جون ۱۹۳۷ء کو علامہ مرحوم نے قائداعظم کو لکھا:

''میں آپ کی مصروفیات سے بخوبی آگاہ ہوں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان میں صرف آپ ذات ایسی ہے جس سے قوم کو یہ توقعات وابستہ کرنے کا حق حاصل ہے کہ مستقبل میں جو سیلاب آنے کا خدشہ ہے اس وقت صرف آپ ہی ملت کی صحیح راہنمائی کر سکتے ہیں۔

آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ ایسی خانہ جنگی کے حالات بہت جلد ہمہ گیر نوعیت اختیار کر سکتے ہیں۔ ملک میں ہندو مسلم فسادو بائی صورت اختیار کر رہا ہے اور مسلمانوں کو مشتعل کرنے کے لیے ہندوؤں کی طرف سے نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کے کئی واقعات ہو چکے ہیں۔ میرا یقین ہے کہ واقعات کے اسباب نہ تو مذہبی ہیں اور نہ اقتصادی بلکہ یہ خالص سیاسی نوعت کے ہیں اور ان کا مقصد یہ ہے کہ ہندو اکثریت کے صوبوں میں مسلمانوں کو ڈرایا دھمکایا جائے۔

دستور جدید کو مسترد کرنے کے کافی وجوہ ہیں۔ میرا یقین ہے کہ یہ دستور مسلمانوں کے لیے انتہائی مضرت رساں ہے۔

میرے خیال میں ہندوستان میں وفاقی حکومت کے قیام کی جو تجویز پیش کی گئی ہے وہ قطعی مایوس کن ہے۔ میں آپ سے متفق ہوں کہ ہماری قوم ابھی منظم نہیں ہوئی اور اس قسم کی کانفرنس کے انعقاد کا ابھی وقت نہیں آیا۔ لیکن میں اس کو ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ اپنے خطبہ میں کم از کم کوئی ایسا راستہ اختیار کریں جسے سرحد کے مسلمان اختیار کرنے پر مجبور ہوں۔

وسط اکتوبر میں لاہور کا موسم بہت اچھا ہوتا ہے۔ اگر آپ لیگ کا آئندہ اجلاس لاہور میں منعقد کرنے پر سنجیدگی سے غور فرمائیں تو بہت مناسب ہوگا۔ پنجاب کے مسلمان مسلم لیگ کے سلسلے میں بڑی گہری دلچسپی کا اظہار کر رہے ہیں۔ اگر آئندہ اجلاس لاہور میں ہو تو مسلمانان پنجاب کے سیاسی شعور میں ایک نئی زندگی پیدا ہو جائے گی۔"

اجلاس لکھنؤ:

اگر چہ علامہ اقبالؒ کی بڑی خواہش تھی کہ لیگ کا سالانہ اجلاس لاہور میں منعقد ہو مگر آخر راجہ صاحب محمود آباد کی دعوت پر مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس لکھنو میں منعقد کرنے کا فیصلہ ہوا۔

کانگرسی وزارتوں کے ظلم وستم نے مسلمانوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ ان حالات میں کونسی راہ پر چل کر اپنی قومی زندگی کو بحال کر سکتے ہیں۔ مسلم عوام کے لیے کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ بڑے بڑے مسلم لیڈر کچھ تو انگریز کی چاپلوسی میں لگے ہوئے تھے۔ اور کچھ ہندوؤں کے زیر اثر کانگرس کے سامنے جبہ سائی میں مصروف تھے ان حالات میں صرف یہی مرد مجاہد ایک عزم صمیم کے ساتھ میدان میں اترا اور قوم کے منتشر افراد کو ایک جگہ جمع کرنے کی کوشش کی۔

لکھنو کا تاریخی اجلاس اسلامی سیاسیات میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے جس میں قائداعظم نے پہلی بار مسلمانوں کو خود اعتمادی کا حیات بخش پیغام دیا اور مسلمانوں کی تنظیم جدید کی بنیاد رکھی گئی۔

قائداعظم نے اس اجلاس میں جو تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا وہ ایک قومی اعلان کی حیثیت رکھتا ہے۔ قائداعظم نے اپنے اس خطبۂ صدارت میں مسلم لیگ کی سیاسی پالیسی کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ مسلم لیگ کا سیاسی موقف مکمل آزادی ہے ہندوؤں کی روش کا جائزہ لیتے ہوئے آپ نے ان کے خفیہ عزائم کو بے نقاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہندوستان کو ایک کامل متحدہ محاذ او صدقدلانہ نصب العین کی ضرورت ہے۔

کانگرس کے ارادوں کی طرح قائداعظم کے دل میں کوئی الجھن نہ تھی۔ اس لیے آپ نے تمام حقائق کو واشگاف الفاظ میں بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ کانگرس نے اپنے طرز عمل سے ثابت کر دیا ہے کہ ہندوستان صرف ہندوؤں کے لیے ہے کہ ہندوستان صرف ہندوؤں کے لیے ہے۔ آپ نے واضح الفاظ میں بتایا کہ کانگرس کی فرقہ وارانہ روش منافرت اور جماعتی عناد کا باعث ہو گی۔ اس کے مقابلے میں مہاسبھا کی پوزیشن زیادہ واضح اور روشن ہے۔ آپ اس اندیشہ کا اظہار فرمایا کہ کانگرس کے اس افتراق انگیز اقدام سے ایک خوفناک رجعت پسندی آغاز ہونے والا ہے۔ ان آنے والے حالات کہ ذمہ داریوں براہ راست انگریزی حکومت پر ہو گی۔ کیونکہ اقلیتوں کے تحفظات کے سلسلے میں گورنروں اور گورنر جنرل کو جو اختیارات حاصل ہیں وہ کانگرسی صوبوں میں ان ذمہ داریوں سے عہدہ برہونے میں ناکام رہے ہیں۔

آپ کانگرس کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ اگر کانگرس یہ خیال کرتی ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ پریشانی اور افتراق سے فائدہ اٹھا کر وہ مسلمانوں کو چند ٹکڑوں

پر راضی کرے گی تو وہ ایک بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہے۔ مسلم لیگ میں اب ایک نئی روح پیدا ہو چکی ہے۔ اور وہ ہندوستانی سیاسیات میں برابر کا حصہ لے گی۔ اس حقیقت کو جس قدر جلد سمجھ لیا جائے اتنا ہی مفاد عامہ کے لیے مناسب ہوگا۔

آپ نے کانگرسی مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ مسلم قوم کے ساتھ بدترین غداری کا ثبوت دے رہے ہیں۔ خود کو دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا ہزیمت خوردہ ذہنیت کی انتہا ہے۔ اغیار اور اپنے جو دوسروں کی آغوش میں چلے گئے ہیں، ان کے طعنوں سے ہمیں ہراساں اور پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم میں کم ہمتی اور احساس کمتری پیدا کریں۔ لیکن میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ اب کوئی طاقت اور مخالفانہ نعرے ہمیں اپنے عزائم سے نہیں روک سکتے اور پروپیگنڈے کا یہ طریق انتہائی طور پر قابل نفرت ہے۔ آپ نے مسلمانوں کو تلقین کی کہ وہ قرآن حکیم کے ارشاد کے مطابق اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں اور نیک دلی سے اپنے مستقبل کی تعمیر کریں۔ انشاءاللہ العزیز خدا کی نصرت و حمایت ان کے ساتھ ہوگی۔

لکھنؤ کے اس اجلاس نے منتشر قوم کو پھر ایک جگہ جمع کر دیا اور مسلمانوں نے اپنے صحیح ملی نصب العین کا کھلے الفاظ میں اعلان کیا۔ بنگال کی مسلم لیگی وزارت نے مسلم لیگ کے ساتھ پورے تعاون کا اظہار کیا اور سارے برصغیر میں مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کی جانے لگی۔

اگرچہ سکندر مرحوم اور قائداعظم کے مابین ایک معاہدہ ہو چکا تھا جو ”سکندر جناح پیکٹ“ کے نام سے مشہور ہے۔ مگر علامہ اقبال کو پنجاب میں لیگ کی کامیابی کے امکانات روشن نظر نہ آتے تھے۔ تاہم وہ یہ چاہتے تھے کہ اس معاہدے کے بلند نتائج بلا تاخیر منظر عام پر آ جائیں۔ مگر قدرت نے ان کو مہلت نہ دی کہ وہ اپنی آنکھوں سے پنجاب میں لیگ کے عروج کو دیکھتے۔ چنانچہ ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو آپ

انتقال ہو گیا اور اس مرد قلندر کو جس نے سب سے پہلے پاکستان کا نعرہ بلند کیا تھا۔ پاکستان کا قیام دیکھنا نصیب نہ ہوا۔

قائداعظم اور گاندھی جی کی خط و کتابت:

مسلم لیگ کے اجلاس لکھنؤ نے کانگرسیوں میں ایک ہل چل مچا دی۔ لیکن اس کے باوجود انہیں اپنے مسلمان کانگرسیوں پر بھروسہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کلکتہ میں کانگرس کی مجلس عامہ کا جو اجلاس ہوا اس میں پنڈت جواہر لال نہرو نے یہاں تک کہہ دیا کہ مسلم لیگ کے مقابلے میں کانگرس کو مسلمانوں کا بہت زیادہ اعتماد حاصل ہے۔

لیکن اندرونی طور پر کانگرسی اپنی ناکامی کا اعتراف کر رہے تھے۔ اس موقعہ پر گاندھی جی پھر مہاتمائی کا روپ دھار کر آگے آئے اور قائداعظم کو لکھا:

''لکھنؤ میں جو آپ نے تقریر کی ہے وہ شروع سے لے کر آخر تک ایک اعلان جنگ ہے۔ میرا خیال تھا کہ دونوں جماعتیں مجھے ایک واسطہ خیال کریں گی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو یہ تجویز پسند نہیں۔ جس کا مجھے بے حد افسوس ہے۔ نزاع میں فریقین ہوتے ہیں۔ اگر میں آپ میں صلح نہ بھی کرا سکا تو آپ مجھے فریق نہ پائیں گے۔''

۵ نومبر ۱۹۳۷ء کو قائداعظم نے اس خط کے جواب میں تحریر کیا۔

''مجھے تعجب اور افسوس ہے کہ میری لکھنؤ والی تقریر اعلان جنگ سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ یہ قطعی مدافعانہ تقریر تھی۔ ازرہ کرم آپ اسے دوبارہ پڑھیں اور اس کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ افسوس ہے کہ گذشتہ ایک سال میں جو واقعات رونما ہوئے ہیں ان پر آپ کی نظر نہیں ہے۔

یہ درست ہے کہ آپ کانگرس کے ابتدائی رکن بھی نہیں ہیں تاہم اس سے انکار مشکل ہے کہ کانگرس کی قیادت آپ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ آپ نے جو مکتوب تحریر کیا ہے اس کے لیے شکر گزر رہوں۔ لیکن مجھے معاف کیا جائے اگر میں یہ کہوں کہ اس

میں کوئی مفید اور ٹھوس عملی تجویز نہیں ہے۔

اس کے تین ماہ بعد گاندھی جی نے قائد اعظم کو لکھا:

آپ نے اپنے خط میں تحریر کیا ہے کہ آپ کی تقریر اعلان جنگ نہیں لیکن آپ کے بعد کے بیانات میرے پہلے خیال کی تصدیق کرتے ہیں۔

آپ کی تقریر میں ''پرانا نیشلسٹ جذبہ'' نظر انداز ہو گیا تھا۔ جب میں ۱۹۱۵ء میں جنوبی افریقہ سے واپس آیا تو آپ ایک سرگرم نیشلسٹ تھے۔ ہر ایک آپ کو نیشلسٹ ہی سمجھتا تھا اور آپ ہندوؤں اور مسلمانوں کی ایک امید تھے کیا آپ وہی مسٹر جناح ہیں؟ اگر آپ اپنی تقریر کے باوجود وہی جناح ہیں تو میں آپ کے الفاظ کو قبول کرتا ہوں۔

اس خط کے موصول ہونے کے بارہ دن بعد قائد اعظم نے جواب میں لکھا:

'' آپ نے لکھا کہ میری تقریر میں '' قدیم نیشلسٹ'' کے جذبات مفقود ہیں کیا آپ اپنے آپ کو ایسا کہنے میں حق بجانب خیال کرتے ہیں۔ میں کبھی یہ نہیں سوچتا کہ لوگ ۱۹۱۵ء میں آپ کو کیا کہتے تھے اور آج آپ کے متعلق کیا خیال کرتے ہیں ''نیشلزم'' کسی کی اجارہ داری نہیں ہے اور ان ایام میں اس کی وضاحت بہت مشکل ہے۔ لیکن میں آئندہ مزید ایسے طریق خط و کتابت کو پسند نہیں کرتا۔

نہرو اور قائد اعظم:

۲۵ فروری ۱۹۳۸ء کو پنڈت جواہر لال نہرو نے قائد اعظم کو لکھا کہ '' مجھے افسوس ہے کہ میں اب تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ بنیادی تنازعات کیا ہیں۔ یہی اسباب تھے کہ میں نے آپ سے اس کی وضاحت چاہی تھی۔ لیکن ابھی تک مجھے اس سلسلے میں کوئی

ہدایت نہیں ملی۔'' پنڈت جواہر لال نہرو کے مکتوب کے جواب میں قائداعظم نے لکھا'' مجھے آپ کی ناواقفیت پر تعجب اور حیرانی ہے یہ مسئلہ ۱۹۲۵ء سے لے کر ۱۹۳۵ء تک ملک کے رہنماؤں کا موضوع بحث رہا ہے۔لیکن ابھی تک اس کا کوئی حل تلاش نہیں کیا جا سکا۔آپ مہربانی کر کے اس کا مطالعہ کریں۔اگر آپ مخلص ہیں تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ اس کو کیوں نہ سمجھ سکیں۔کیونکہ یہ مسئلہ اخبارات اور پبلک پلیٹ فارم پر کئی بار آ چکا ہے۔''

۱۴ فروری ۱۹۳۸ء کو گاندھی جی نے قائداعظم کو لکھا:

''پنڈت جواہر لال نہرو کے نام آپ کا خط میری نظر سے گزرا ہے۔میں سمجھتا ہوں کہ بالمشافہ گفتگو کی ضرورت ہے۔لیکن یہی نہیں جانتا کہ آپ کی ملاقات جواہر سے ہو گی یا سبھاش چندر بوس سے، جو کانگرس کے ہونے والے صدر ہیں۔لیکن اگر پسند کریں تو مناسب یہ ہو گا کہ صدر کانگرس سے ملنے سے قبل آپ کی اور میری ملاقات بمبئی گاؤں میں ہو جائے۔قبل ازیں فرقہ وار مسائل میں ڈاکٹر انصاری میری رہنمائی کیا کرتے تھے۔اب اس کام کے لیے میں نے مولانا ابو الکلام آزاد کو منتخب کیا ہے۔لہذا میری تجویز یہ ہے کہ سب سے پہلے آپ کی اور مولانا ابوالکلام آزاد کی بات چیت ہو۔لیکن ہر صورت میں یہ خیال رہے کہ میں ہر وقت گفتگو کرنے کو تیار ہوں۔''

۳/مارچ ۱۹۳۸ء کو قائداعظم نے اس کے جواب میں گاندھی جی کو لکھا۔'' آپ کے خط میں میرے دونوں سوالوں کا جواب نہیں ملا۔کیا اب سمجھوتہ کا وقت آ چکا ہے اور تاریکی دور ہو چکی ہے۔دوسرے کیا آپ اس مسئلے کو سنجیدگی کے ساتھ ہاتھ میں لینے کو تیار ہیں؟

یہ جان کر کہ ڈاکٹر انصاری مرحوم کے بعد آپ مولانا ابوالکلام آزاد کی وساطت

سے بات چیت کریں گے، مجھے آپ کی روش میں کوئی تبدیلی محسوس نہیں ہوئی۔ کیونکہ اندیشہ ہے کہ جس طرح آپ ڈاکٹر انصاری کے متشدانہ نقطہ نظر کے باعث ان سے متفق نہیں تھے اور آپ نے اپنی بے چارگی کا اظہار کر دیا تھا۔ گول میز کانفرنس کے موقعہ پر بھی آپ بعض امور کو قبول کر لینے پر تیار تھے۔ لیکن اس وقت بھی آپ نے یہ کہہ کر اپنی بے چارگی کا اظہار کیا کہ ہندوؤں کے ناراض ہو جانے کا ڈر ہے۔ لیکن اگر ہندو مسلم مسئلہ کا کوئی تصفیہ ہو جائے تو کانگرس کے نمائندے کی حیثیت سے آپ کو کوئی عذر نہ ہو گا۔

اب ہم اس مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ آپ مسلم لیگ کو ہندوستانی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کر لیں۔ اور دوسری طرف ہم یہ تسلیم کر لیں کہ آپ کانگرس اور ملک کے دوسرے ہندوؤں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس طرح ہم آگے قدم بڑھا سکتے ہیں اور متنازعہ مسائل کا حل سوچ سکتے ہیں۔

میں جواہر لال نہرو، بابو سبھاش چندر بوس سے ملنے کو تیار ہوں۔ لیکن کوئی مسئلہ اس وقت تک حل نہیں ہو سکتا جب تک وہ دونوں آپ سے رجوع نہ کریں۔ لہذا میں آپ سے پہلے ملنا ضروری خیال کرتا ہوں۔ چونکہ میرا پروگرام پہلے سے مرتب ہے اس لیے ۱۰ مارچ سے پہلے میرا ابھی گاؤں آنا ناممکن ہے۔ لیکن وقت اور مقام کا تصفیہ بعد میں ہو سکتا ہے۔"

ان خطوط کے مطالعہ سے بآسانی اندازہ ہو سکتا ہے کہ گاندھی جی کس قدر ہوشیاری سے لیگ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کو روکنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن قائداعظم نہایت دانائی اور تدبر سے ان کی تمام چالوں کو ناکام بنا کر مسلمانوں کی تنظیم میں مصروف تھے۔

مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن:

دوسری جنگ عظیم سے قبل مسلمانوں میں بہت بیداری پیدا ہو چکی تھی۔

قائداعظم کی مخلصانہ سرگرمیوں نے مدت کے اجزائے پریشان کو ایک جگہ جمع کر دیا تھا اور وہ ہزاروں نہیں لاکھوں کی تعداد میں لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو کر اپنی آزادی اور حقوق کی جنگ کرنے پر کمر بستہ تھے۔

لیکن یہ آرزو صرف عوام تک ہی نہیں بلکہ خواص کے دلوں میں بھی گھر کر چکی تھی۔ مسلم طلباء کی اب تک کوئی الگ جماعت نہ تھی۔ صرف آل انڈیا سٹوڈنٹس کانفرنس تھی جس پر کاملاً ہندوؤں کا قبضہ تھا۔ لیکن علی گڑھ میں قائداعظم کی تقریر نے مسلم طلبا میں بھی زندگی کے آثار پیدا کر دیئے۔ اور انہوں نے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے نام سے اپنی الگ تنظیم کی۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ قیام پاکستان کے سلسلے میں مسلم طلباء نے جو حصہ لیا۔ تاریخ اسے فراموش نہیں کر سکتی۔

دوسری جنگ عظیم:

جس زمانے میں لارڈ لنلتھگو ہندوستان کے وائسرائے تھے، دنیا میں دوسری جنگ عالمگیر شروع ہوگئی۔ یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو جرمنی نے پولینڈ پر حملہ کر دیا اور برطانیہ اور فرانس نے پولینڈ کی حمایت میں جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ ڈیڑھ دو ماہ میں ہی جرمنی فرانس سے ناروے تک چھا گیا ۱۹۴۰ء میں جرمنی نے لندن اور برطانیہ کے دوسرے شہروں پر شدید بمباری کی۔ ۱۹۴۱ء کے موسم بہار میں جرمنی بلقان اور یونان پر قابض ہو گیا۔ جزیرہ کریٹ پر قبضہ کر لینے کے بعد خیال تھا کہ وہ قبرص اور نہر سویز پر حملہ کرے گا مگر اس نے روس پر حملہ کر دیا۔ اور پندرہ سو میل لمبے محاذ پر لڑائی چھیڑ دی۔ دسمبر تک وہ روسی علاقے میں بڑھتا چلا گیا۔ لیکن اب جنگ کا پانسہ پلٹا۔ جرمنوں کی پسپائی اور روسیوں کی پیش قدمی شروع ہوئی۔ ادھر جاپان نے جرمنی کی حمایت میں امریکہ اور برطانیہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور پانچ ماہ تک جاپانی فوجیں آگے بڑھتی چلی گئیں۔ جاپان نے ہندوستان کے دو ساحلی مقامات وزیگاپٹم اور کوکناڈا پر بمباری بھی کی۔ عین اس وقت جب کہ ہندوستان پر جاپانی

حملے کے بادل منڈلا رہے تھے، امریکہ نے ہیروشیما اور ناگاساکی (جاپان کے دو شہروں) پر ایٹم بم گرا کے اس جنگ کا خاتمہ کر دیا۔ جس سے لاکھوں انسان موت کے گھاٹ اتر گئے۔ اس طرح چھ سال کی تباہی اور بربادی کے بعد اگست ۱۹۴۵ء میں یہ جنگ ختم ہوئی۔

''ہندوستان چھوڑ دو'' کی تحریک:

ہندو کانگرسی مرکز میں فیڈریشن کے قیام کی ناکامی سے سخت برافروختہ ہو رہے تھے۔ جنگ کے موقعہ پر جب لارڈ لنلتھگو نے ہندوستانیوں سے جنگ میں امداد دینے کی اپیل کی تو کانگرس نے اس اپیل کے جواب میں مطالبہ کیا کہ انگریز اپنے جنگی عزائم کی وضاحت کریں، ہندوستان کی مکمل آزادی کا اعلان کر دیا جائے اور عام حق رائے دہی کے معیار پر مجلس دستور ساز قائم کی جائے جو ملک کا آئین وضع کرے۔

مشہور کانگرسی رہنما سبھاش چندر بوش بھاگ کر ملایا چلے گئے تھے۔ وہاں انہوں نے آزاد ہند فوج مرتب کی اور خود نیتا جی کے نام سے مشہور ہوئے۔ اس فوج کے قیام کا مقصد یہ تھے کہ بزور شمشیر انگریزوں کو ہندوستان سے نکال دیا جائے۔ لیکن جاپان کی شکست سے یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ بعد میں ان کے بتہ سے افسر پکڑ لیے گئے۔ کچھ پر مقدمے چلے اور کئی نظر بند کر لیے گئے۔

جنگ کے شروع ہوتے ہی جواہر لال نہرو نے وعدہ کیا تھا کہ کانگرس انگریزوں کی مشکلات سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھانے کا ارادہ نہیں رکھتی آپ نے کہا تھا کہ یہ جمہوریت اور فاشی ازم کی جنگ ہے اور ہماری تمام ہمدردیاں جمہوریت کے ساتھ ہیں۔

لیکن یہ ہمدردانہ جذبہ دیر تک قائم نہ رہا۔ ۱۰ اکتوبر ۱۹۴۴ء کو کانگرس نے مکمل آزادی کا مطالبہ کیا۔ ۱۵ نومبر کو کانگرس ہائی کمان کے حکم پر کانگرسی وزرا نے ان

سات صوبوں سے استعفے دے دیئے جہاں کانگرس کی حکومت تھی۔ چند دن بعد الہٰ آباد میں کانگرسی لیڈر نے فیصلہ کیا کہ جب تک فی الفور آزادی کا اعلان نہیں کر دیا جائے گا۔ کانگرس جنگ میں انگریزوں کی کوئی مدد نہیں کرے گی۔

اس وقت **ملک** میں مسلمانوں کی اکثریت قائداعظم کی قیادت میں مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو چکی تھی۔ لہذا ان کے حکم کے مطابق ۲۲/دسمبر کو کانگرس وزارتوں کے مستعفی ہونے پر مسلمانوں نے سارے **ملک** میں ''یوم نجات'' منایا۔ کانگرس کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ یوم نجات میں صرف مسلمانوں نے ہی حصہ نہیں لیا بلکہ پارسی عیسائی اور لاکھوں کی تعداد میں اچھوت بھی اس میں شریک ہوئے۔

''ہندوستان چھوڑ دو'' کی تحریک نے **ملک** میں زبردست اودھم مچایا لوٹ مار کا بازار گرم ہو گیا۔ ریل کی پٹڑیاں اکھیڑ دی گئیں۔ سرکاری عمارتوں کو نقصان پہنچایا گیا۔ **ملک** میں بدامنی پیدا کرنے کی زبردست کوشش کی گئی جب بمبئی میں کانگرس کی مجلس عاملہ کا اجلاس شروع ہوا تو تمام کانگرسی لیڈر گرفتار کر لیے گئے۔ اور نہیں قلعہ احمد نگر میں بند کر گیا۔ مسلم لیگ ان تمام حالات سے غیر متاثر رہی۔ جاپان کی شکست کے بعد کانگرسیوں کے حوصلے بھی پست ہو گئے۔ اور تحریک ختم ہو گئی۔ گاندھی جی ان ایام میں پونا میں سر آغا خاں کے محل میں نظر بند رہے۔

☆

تحریک پاکستان

چودھری رحمت علی:

علامہ اقبال مرحوم نے قوم کے سامنے ایک الگ مملکت کا تخیل پیش کیا تھا۔ چودھری رحمت علی نے اس آزاد اسلامی ریاست کا نام پاکستان تجویز کیا اور مسلم اکثریت والے صوبوں کے علاوہ کشمیر کو بھی اس اسلامی مملکت میں شامل کرنے کی تجویز پیش کی۔

چودھری رحمت علی نے انگلستان میں اس تحریک کا بڑی محنت اور جانفشانی سے پروپیگنڈا کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ برطانوی پریس اور پارلیمنٹ میں اس تحریک کے متعلق چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ اور ہندوستان میں ہندوؤں نے اس کی پرزور مخالفت شروع کر دی۔

قرارداد لاہور:

ہندو ذہنیت کے بے نقاب ہو جانے پر مسلمان من حیث القوم مسلم لیگ میں شامل ہو چکے تھے۔ ۱۹۳۷ء کے اجلاس لکھنؤ نے ثابت کر دیا تھا کہ مسلمانوں کو اپنے قائد کی ذات پر پورا بھروسہ ہے اور وہ اس کے حکم کی تعمیل میں کسی بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔

حضرت علامہ اقبالؒ کی وفات کے دو سال بعد ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ کا تاریخی اجلاس لاہور کی وسیع گراؤنڈ منٹو پارک میں منعقد ہوا۔ جس کا نام آج کل ''اقبال پارک'' ہے۔ اس اجلاس میں مسلمانوں کے لیے ایک الگ اسلامی ریاست کے قیام کا مطالبہ کیا گیا۔ یہ تجویز ''قرارداد لاہور'' کے نام سے موسوم ہے۔ اس قرارداد میں مطالبہ کیا گیا کہ:

''مسلمان اپنے مخصوص فلسفہ زندگی کے نشو و ارتقا اور بقا و

استحکام کے لیے ایک الگ اور علیحدہ فضا چاہتے ہیں۔ کیونکہ وہ ایک الگ اور مستقل قوم کی حیثیت رکھتے ہیں لہذا اگر مسلمان ہندوستان میں ایک تمدنی قوت کی حیثیت سے زندہ رہنے کے آرزومند ہیں تو ضرورت ہے کہ وہ ایک الگ اسلامی ریاست کے قیام کا مطالبہ کریں، جہاں وہ ہندوؤں سے الگ رہ کر اپنی قومی اور ملی شخصیت کو قائم رکھ سکیں''۔

۱۹۴۲ء تک اس قرارداد کو پاکستان کا نام نہیں دیا گیا تھا۔ مگر غیر مسلم اخبارات اس کو پاکستان کا نام دے کر اس کی پرزور مخالفت کر رہے تھے۔ یکم مارچ ۱۹۴۲ء کو قائداعظم نے اسلامیہ کالج لاہور کے وسیع میدان میں قوم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''ہم نے قرارداد لاہور کو پاکستان کا نام نہیں دیا تھا۔ لیکن اگر ہمارے دشمن ہمیں چڑانے کے لیے اس نام کو استعمال کر رہے ہیں تو ہم اس سے چڑیں گے نہیں۔ بلکہ اب سے اس کو قرارداد لاہور کی بجائے ''قرارداد پاکستان'' کے نام سے ہی پکارا کریں گے''۔

چنانچہ اس کے بعد مسلمانوں نے حصول پاکستان کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی اور آخر کار اپنے عظیم قائد کی رہنمائی میں اس کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

سر کرپس:

۱۹۴۲ء میں سر کرپس برطانی حکومت سے کچھ تجویزیں لے کر ہندوستان آئے۔ جن کا خلاصہ یہ تھا کہ جنگ کے خاتمے کے بعد ہندوستان کو درجہ نوآبادیات دے دیا جائے گا۔

قائداعظم نے الہ آباد میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے

واضح الفاظ میں فرما دیا کہ ”ہندوستان کے مسلمان پاکستان کے علاوہ کسی دوسری تجویز کو ہرگز ہرگز منظور نہ کریں گے“۔ کانگرس نے بھی ان تجاویز کو ٹھکرا دیا اور مطالبہ کیا کہ ہندوستان کی زمام اقتدار کانگرس کے حوالے کر دی جائے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سر کرپس اپنے مشن میں ناکام ہو کر واپس لوٹ گئے۔

قائداعظم پر قاتلانہ حملہ:

۱۹۴۰ء میں جب لاہور میں مسلم لیگ کا اجلاس ہونے والا تھا تو سر سکندر حیات کے زمانۂ وزارت میں لاہور میں پولیس نے خاکساروں پر گولی چلا دی۔ جس سے صوبے میں تشویشناک حالات پیدا ہو گئے۔ بعض لوگوں نے اجلاس لاہور کو ملتوی کر دینے کا مشورہ دیا۔ مگر قائداعظم نے اس اجلاس کی اہمیت کے پیش نظر اجلاس ملتوی کرنے سے انکار کر دیا۔

اگرچہ قائداعظم اس واقعہ پر انتہائی رنج و افسوس کا اظہار کر چکے تھے۔ مگر پھر بھی یہ لوگ مخالفین کے اکسانے پر قائداعظم کے دشمن ہو رہے تھے۔

بہت سے لوگ آپ کو دھمکیاں دے چکے تھے کہ اگر آپ نے پاکستان کے مطالبے کو ترک نہ کر دیا تو آپ کو ہلاک کر دیا جائے گا۔ ۲۷ جون کو ایک خاکسار نے لکھا ”مناسب یہی ہے کہ آپ گاندھی جی سے مصالحت کر لیں۔ ورنہ آپ کی زندگی کی خیر نہیں۔ ہم میں سے کوئی آپ کی زندگی کا خاتمہ کر دے گا“۔

۲۶ جولائی ۱۹۴۳ء کو لاہور کا ایک خاکسار رفیق صابر ایک تیز چاقو لے کر بمبئی میں قائداعظم کی کوٹھی پر پہنچا اور ان کے سیکرٹری سے ملاقات کی اجازت مانگی۔ مگر انہوں نے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ قائداعظم صاحب آج کل بہت مصروف ہیں۔ مگر اس نے جب دیکھا کہ قائداعظم اپنے کمرے میں پھر رہے ہیں تو تیزی سے آپ پر چاقو کا وار کیا۔ قائداعظم نے نحیف و کمزور ہونے کے باوجود بڑی چابکدستی اور جرأت سے حملہ آور کا ہاتھ روک لیا۔ جس سے آپ بال بال بچ گئے۔ صرف ہاتھ

پر معمولی خراشیں آئیں۔ملزم گرفتار کرلیا گیا۔

رفیق صابر نے عدالت میں اپنا بیان دیتے ہوئے کہا کہ جناح کو ہلاک کرنا اس کا سب سے بڑا مقصد حیات تھا کیونکہ وہ برطانوی شہنشاہیت کے ہاتھ میں ایک آلے کی حیثیت سے کام کر رہا ہے۔

گفتگوئے مصالحت:

مئی ۱۹۴۴ء میں گاندھی جی دو سال کی نظر بندی کے بعد رہا ہوئے۔لیکن اس دو سال کی مدت میں بھی ان کے خیالات میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ان کا خیال تھا کہ وہ قائداعظم کو مشترکہ ہندوستان کے اصول پر لے آئیں گے۔

چنانچہ ۱۷ جولائی کو آپ نے قائداعظم کو جو خط لکھا اس میں انہیں ’’بھائی جناح‘‘ کے نام سے خطاب کیا ہے۔واضح رہے کہ اس سے پہلے وہ وہائٹ ہال اور لارڈ ویول سے خط و کتابت کر چکے تھے۔

اس خط میں گاندھی جی لکھتے ہیں کہ:

> جب سے میں رہا ہوا ہوں میرے دل سے یہ آواز اٹھتی ہے کہ آپ کو خط لکھوں۔آپ جب بھی چاہیں میں آپ سے ملنے کو تیار ہوں۔آپ ہرگز مجھے اسلام یا ملک کے مسلمانوں کا دشمن خیال نہ کریں۔میں آپ ہی کا دوست اور خادم نہیں ہوں۔بلکہ تمام دنیا کو اپنا دوست سمجھتا ہون اور سب کا خدمت گذار۔مجھے مایوس نہ کیجئے۔‘‘

قائداعظم نے سری نگر سے جہاں آپ ٹھہرے ہوئے تھے گاندھی جی کو اس خط کے جواب میں لکھا:

بمبئی میں میری واپسی پر اگر آپ مجھے میرے مکان پر ملیں تو مجھے خوشی ہو گی۔ میں غالباً اگست میں واپس لوٹوں گا۔مجھے توقع ہے کہ اس وقت تک آپ کی صحت بھی بحال ہو جائے گی۔میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں لکھنا چاہتا کہ آپ مجھے ملیں۔

اخبارات سے یہ معلوم کر کے مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ کی صحت بہتر ہو رہی ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپ بہت جلد تندرست ہو جائیں گے۔''

دونوں لیڈر ۹ ستمبر کو قائداعظم کی کوٹھی پر آپس میں ملے۔ یہ ملاقاتیں اٹھارہ دن تک ہوتی رہیں۔ دونوں لیڈروں میں یہ فیصلہ ہوا کہ ملاقات کے بعد اس گفتگوئے مصالحت کی تحریری طور پر تصدیق کردی جایا کرے۔

۱۵ ستمبر کو گاندھی جی نے قائداعظم کو لکھا:

''ہماری گفتگو میں آپ نے اس امر کا دعویٰ کیا ہے کہ ہندوستان میں دو قومیں ہیں ایک ہندو اور دوسرے مسلمان مجھے تاریخ میں کہیں اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ کسی جماعت نے تبدیلی مذہب کے بعد اپنے آباؤ اجداد سے الگ قوم بنالی ہو۔ اگر مسلمانوں کے اقتدار سے پہلے ہندوستان ایک قوم تھا تو اس کثیر التعداد نسل کے تبدیلی مذہب کے بعد بھی وہ ایک قوم رہ سکتا ہے۔''

آپ نے برسر اقتدار قوم کی حیثیت سے علیحدگی کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ قبول اسلام کی بنا پر کیا ہے۔ کیا دو قومیں ایک ہوسکیں گی اگر سارا ہندوستان مسلمان ہو جائے؟

دو دن کے بعد قائداعظم نے جواب میں لکھا:

قوم کو کسی معیار پر پرکھا جائے۔ ہندو اور مسلمان دو بڑی قومیں ہیں۔ ہم کروڑوں کی تعداد میں ہیں۔ مسلمان بحیثیت تہذیب وتمدن، زبان، کلچر، آرٹ وفن تعمیرات، اخلاق، قانون، رسومات، تاریخ، روایات، ماہ وسال غرضیکہ ہر اعتبار سے ایک الگ اور مستقل قوم ہیں۔

۲۴ ستمبر کو گاندھی جی نے قائداعظم کو ایک طویل خط لکھا جس میں کہا گیا کہ میں کانگریس سے سفارش کروں گا کہ وہ مسلم لیگ کی قرارداد لاہور حسب ذیل شرائط کے ماتحت قبول کر کے تقسیم ملک پر راضی ہو جائے۔

آپ نے لکھا:

''میں اس کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوں کہ ہندوستان میں ایک سے زائد قومیں موجود ہیں۔ البتہ یہ مانتا ہوں کہ ایک خاندان کے ارکان کی طرح شمالی مغربی منطقے میں یعنی بلوچستان، سندھ، صوبہ سرحد، پنجاب کے بعض حصوں میں جہاں دوسرے عناصر کے مقابلے میں مسلمانوں کی اکثریت ہے، نیز بنگال اور آسام کے اور آپ کسی نتیجے پر پہنچ گئے تو آپ اس کو کانگرس اور ملک سے منوانے کی کوشش کریں گے۔ لیکن میں بار بار یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ کافی نہیں ہے۔ کیونکہ آپ کانگرس کے معمولی رکن بھی نہیں ہیں۔ اور یہ سوال اس وقت اٹھتا ہے جب آپ جوابی تجاویز پیش کرتے ہیں۔ میرے لیے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ یہ تجاویز اس وقت تک پیش نہیں ہو سکتیں جب تک ان کی پشت پر کسی منظم جماعت کا ہاتھ نہ ہو۔''

اگر گفتگو ناکام رہی تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ آپ نے قرارداد لاہور کے مطالبہ کی روح کے متعلق مطمئن نہیں کیا اور سب سے افسوسناک بات یہ ہوگی کہ اگر کوئی شخص آپ سے اتفاق رائے نہ رکھتا ہو تو آپ ہمیشہ حق پر ہوتے ہیں اور دوسرا غلطی پر۔ بہت سے لوگوں کی نگاہیں آپ پر لگی ہوئی ہیں اور میں جانتا ہوں کہ اس خبر کے شائع ہوتے ہی مجھ پر لعن طعن ہونے لگے گی۔ لیکن میں ان تمام چیزوں کا مقابلہ کرنے کو تیار ہوں۔ میں اپنے فیصلے اور ضمیر کے مطابق ہی عمل کر سکتا ہوں۔

جولائی ۱۹۴۵ء میں مسٹر کلیمنٹ ایٹلی نے انگلستان میں مزدور وزارت قائم کی۔ اور اگست میں جاپان نے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیئے۔ ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک نئے دشمن کے حملے کا جو خطرہ تھا ٹل گیا۔ انہوں نے ایک دفعہ پھر کوشش کی کہ ان کے اندر جو تنازعات ہیں ان کا تصفیہ ہو جائے گا۔ گاندھی قائداعظم گفتگوئے مصالحت اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں جن کا اوپر ذکر آچکا ہے۔

شملہ کانفرنس:

ان دنوں ہندوستان کے وائسرائے لارڈ ویول تھے۔ وہ برطانی حکومت کے بلاوے پر انگلستان گئے۔ واپسی پر انہوں نے جون ۱۹۴۵ء میں اپنی ایک نشری تقریر میں ہندو مسلم رہنماؤں کی شملہ میں جمع ہونے کی دعوت دی تاکہ ان کے مشورے سے مرکز میں نئی کابینہ کی تشکیل عمل میں لائی جائے۔

ان کی تجویز میں اونچی ذات کے ہندوؤں اور مسلمانوں کی تعداد برابر تھی۔ وائسرائے اور کمانڈر انچیف کے علاوہ تمام وزراء ہندوستانی تھے۔ کانگرس نے اس موقعہ پھر روڑا اٹکایا اور مطالبہ کیا کہ مسلمان وزراء کے کوٹے میں مسلمان نیشلسٹوں کو بھی حصہ دیا جائے۔ لیکن قائداعظم اس پر بضد تھے کہ مسلمانوں کی نمائندگی حق صرف مسلم لیگ کو حاصل ہے اور وہ اپنے حصے میں سے کچھ بھی دینے کو تیار نہیں۔ آخر کانگرس کے غلط مطالبے کے باعث ۱۴ جولائی کو لارڈ ویول نے اس کانفرنس کی ناکامی کا اعلان کر دیا۔

۱۹۴۵ء کے انتخابات:

شملہ کانفرنس کی ناکامی کے بعد ۱۴ اگست کو لارڈ ویول انگلستان گئے اور واپسی پر انتخابات کا اعلان کر دیا۔

ان انتخابات میں کانگرس نے ہر قسم کی ترغیب و تحریص سے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور مسلم لیگ کو ناکام بنانے کی کوشش کی۔ مگر مسلمان اب بیدار ہو چکے تھے۔ اس لیے کہ کانگرس کی تمام کوششیں ناکام ثابت ہوئیں۔ مرکز میں مسلم لیگ سو فیصدی نشستیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ اور جن لوگوں نے مسلم لیگ کے امیدواروں کا مقابلہ کرنے کی ہمت کی، ان کی ضمانتیں تک ضبط ہو گئیں۔

کانگرس کا خیال تھا کہ اگر مرکز میں نہیں تو صوبائی انتخابات میں یقیناً لیگ کو شکست کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ چنانچہ احمد آباد میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر پٹیل نے

صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ ''مرکز میں محدود رائے دہندگی کے باعث مسلم لیگ کو کامیابی ہوئی ہے۔ مگر صوبائی انتخابات میں لیگ کو کانگرس کے مقابلے میں منہ کی کھانی پڑے گی۔ لیکن صوبائی انتخابات کے نتائج بھی کانگرس کی توقع کے برعکس نکلے۔ اور ۳/جون کو لارڈ ویول کو اعتراف کرنا پڑا کہ لیگ انتخابات میں کامیاب ہوئی ہے اور وزارت میں اسے کانگرس کے برابر نشستیں ملنی چاہئیں۔ یعنی پانچ کانگرسی اور پانچ مسلم لیگی وزرا عبوری حکومت میں ہونے چاہئیں۔''

اگرچہ لیگ صوبائی انتخابات میں ہر جگہ کامیاب رہی تھی مگر سندھ اور بنگال میں ہی مسلم لیگی وزارتیں بن سکیں۔ پنجاب میں اگرچہ مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ لیکن ملک خضر حیات خان ٹوانہ نے کانگرس کے ساتھ مل کر مسلم لیگ کو نیچا دکھانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن اس کا الٹا اثر ہوا اور پنجاب میں لیگ کو بہت فروغ حاصل ہوا۔

سرحد میں ڈاکٹر خان صاحب کی قیادت میں کانگرسی وزارت کام کر رہی تھی اور یہ حضرت قائداعظم اور مسلم لیگ کی سر توڑ مخالفت کر رہے تھے۔ تاہم ان دونوں صوبوں میں مسلم لیگ عوام کے دلوں میں گھر کر رہی تھی اور تحریک پاکستان ایک سیلاب کی طرح سارے ملک میں پھیل چکی تھی۔

یکم مارچ ۱۹۴۶ء کو کلکتہ میں مسلم لیگ کے کارکنان کے سامنے تقریر کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا:

> ''میں بوڑھا آدمی ہوں۔ مجھے خدا نے وہ سب کچھ دے رکھا ہے جس میں میں اپنی بقیہ زندگی آرام و سکون سے بسر کر سکتا ہوں۔ مجھے کیا پڑی ہے کہ میں اپنا خون پسینہ ایک کر رہا ہوں اور دن رات کا آرام اپنے اوپر حرام کر رکھا ہے۔ میں یہ سب کچھ سرمایہ داروں کے لیے نہیں آپ لوگوں یعنی غریبوں کے لیے کر رہا ہوں۔''

جب مسٹر ایس۔ این بیکر نے قائداعظم سے پاکستان کی اقتصادی حالت کے

متعلق سوال کیا کہ اس میں نہ کوئلہ اور نہ لوہا نہ بجلی ہے اور نہ صنعت تو قائداعظم نے فرمایا تھا کہ ہمارے لوگوں کو صنعتی ترقی کے مواقع نہیں دیئے گئے۔لیکن میرا یقین ہے کہ جب ان کو مواقع ملیں گے تو یہ سب کچھ حاصل کرلیں گے۔میری ایک بات یاد رکھو کہ میں پاکستان لے کے رہوں خواہ اس میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔

وزارتی مشن:

شملہ کانفرنس کی ناکامی کے بعد اور وزارتی مشن کی آمد سے پہلے برطانی حکومت نے پروفیسر رچرڈز کی قیادت میں ایک پارلیمنٹری وفد ہندوستان میں بھیجا۔ کیونکہ ایک طرف تو ملک میں آزادی کی تحریک زور پکڑ رہی تھی۔دوسری طرف خود انگریز بین الاقوامی حالات کے پیش نظر ہندوستانی حالات کا کوئی نہ کوئی حل سوچ کر اہل ملک کو مطمئن کرنا چاہتے تھے۔اس وفد نے سارے ملک کا دورہ کیا اور مختلف الخیال لیڈروں سے تبادلہ خیالات کرنے کے بعد لندن جا کر وزارت کو اپنی رپورٹ پیش کی۔

اس وفد کی رپورٹ پر ۱۵ مارچ کو وزیراعظم مسٹر اٹیلی نے ہندوستان میں ایک وزارتی مشن بھیجنے کا اعلان کیا۔اور یہ بھی کہہ دیا کہ یہ وفد جلد از جلد ہندوستان کو آزاد کرنے میں مدد دے گا۔لیکن اس کا فیصلہ اہل ملک کو کرنا ہوگا کہ وہ کس قسم کا آئین پسند کرتے ہیں۔

مسٹر اٹیلی نے کانگرس کے ایماء پر اپنے اعلان میں یہاں تک کہہ دیا کہ اب کے اقلیت کو اکثریت کی راہ میں روڑا نہیں بننے دیا جائے گا۔مسٹر پٹیل نے اس اعلان کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ وزیراعظم نے اپنے اعلان میں جس اقلیت کا ذکر کیا ہے وہ مسلم لیگ ہے۔

چنانچہ برطانی وزیراعظم کے اعلان کے مطابق وزیر ہند لارڈ پیتھک لارنس،

سر سٹیفورڈ کرپس اور مسٹر اے۔ دی الیگزینڈر ہندوستان میں آئے اور ایک ماہ تک انہوں نے ملک کے چیدہ چیدہ لیڈروں سے بات چیت کی۔ وائسرائے نے ایک دفعہ پھر ۵ مئی کو کانگرس اور مسلم لیگی لیڈروں کو شملہ میں بلایا اور انہوں نے وزارتی مشن سے بات چیت کی۔

کانگرس بظاہر تو اقلیتوں کے تحفظ کا یقین دلاتی تھی۔ لیکن ملک کی تقسیم پر کسی صورت میں رضامند نہ تھی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اگر ہندوستان تقسیم ہو گیا تو رام راج کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوگا۔

۹ اپریل ۱۹۴۶ء کو دہلی میں قائداعظم کی صدارت میں مسلم لیگ کنونشن کا اجلاس ہوا۔ جس میں ملک کی صورت حالات پر کامل غور و خوض کرنے کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ مسلمان پاکستان سے کم کوئی چیز قبول نہیں کریں گے۔

چنانچہ یہ دوسری شملہ کانفرنس بھی ناکام ثابت ہوئی اور ۱۱ مئی کو اس کی ناکامی کا اعلان کر دیا گیا۔

کانفرنس کی ناکامی کے بعد مشن نے ۱۶ مئی کو اپنا ایک منصوبہ تیار کر کے اعلان کر دیا کہ دس لاکھ رائے دہندگان پر مرکزی مجلس دستور ساز کے لیے ایک ممبر بنا چنا جائے گا۔ جو ملک کے لیے نیا آئین مرتب کرے گی۔ لیکن جو جماعت اس منصوبے کو قبول کر لے گی۔ وہ عارضی طور پر حکومت سنبھال سکتی ہے یہ سکیم دو حصوں پر مشتمل تھی۔

۱۔ مختصر میعاد کی سکیم (شارٹ ٹرمز پلین) یا عارضی حکومت

۲۔ طویل المیعاد (لانگ ٹرمز پلین) یا دستور ساز اسمبلی

اول الذکر سکیم کے مطابق عارضی حکومت سے وہ حکومت مراد تھی جو دستور ساز اسمبلی کے قیام تک کاروبار حکومت چلائے گی۔ اس میں وائسرائے کے ماتحت ایک کابینہ ہو گی جس میں چھ کانگرسی پانچ مسلم لیگی اور دو اچھوتوں کے نمائندے ہوں

گے۔

طویل المیعاد سکیم میں حسب ذیل دفعات تھیں۔

ا۔ ملک میں ایک مرکزی حکومت ہوگی، جس کے ماتحت صرف امور خارجہ، مواصلات اور دفاع کے محکمے ہوں گے۔ باقی محکمے صوبوں کے اختیار میں ہوں گے۔

۲۔ سارے ملک کو تین حصوں (گروپوں) میں تقسیم کیا جائے گا۔ گروپ الف میں ہندو اکثریت کے تمام صوبے۔ گروپ ب میں پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان اور گروپ ج میں بنگال اور آسام شامل ہوں گے۔ ریاستی گروپ ان کے علاوہ ہوگا۔

۳۔ ان تینوں گروپوں اور ریاستوں کی آبادی سے ہر دس لاکھ کی آبادی پر ایک نمائندہ لیا جائے گا اور پھر یہ ارکان مل کر دستور ساز اسمبلی قائم کریں گے۔

۴۔ کانگرس اور مسلم لیگ وغیرہ ہر پارٹی اپنے ممبر علیحدہ علیحدہ منتخب کرے گی اور کوئی پارٹی دوسری پارٹی کے انتخابات میں دخل انداز نہ ہوگی۔

۵۔ دستور ساز اسمبلی کے ارکان مرکزی حکومت میں شامل ہو کر اسمبلی کے متعلق قواعد وضوابط بنائیں گے۔ اس کے بعد یہ ارکان اپنے اپنے گروپوں میں علیحدہ ہو کر اپنے اپنے گروپ کا آئین مرتب کریں گے۔ اس آئین کے ماتحت صوبوں میں انتخابات ہوں گے۔ اور نئی صوبائی اسمبلیاں قائم کی جائیں گی۔

۶۔ کسی نئی صوبائی اسمبلی کی اکثریت اگر اپنے گروپ سے علیحدہ ہونا چاہے۔ یا کسی دوسرے گروپ میں شامل ہونے کی خواہش کرے تو وہ اس گروپ سے علیحدہ ہو کر اس گروپ میں شامل ہو سکتی ہے۔

اس اعلان کی رو سے ہندوستان میں صرف تین بڑی قومیں تسلیم کی گئیں۔

(ا) جنرل (۲) مسلم اور (۳) سکھ

اس طرح دستور ساز اسمبلی میں برطانی ہند کے تمام نمائندوں کی تعداد ۲۹۲۔اور ہندوستانی ریاستوں کے نمائندوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ ۹۳ ہونا قرار پائی۔

وزارتی مشن کی طویل المیعاد سکیم میں اگرچہ پاکستان کو تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔مگر پاکستان کے اصول کو تسلیم کر لیا گیا۔مسلم لیگ نے اپنے ۶ جون کے اجلاس میں طویل المیعاد سکیم کو منظور کر لیا اور قائداعظم کو اختیار دے دیا کہ وہ وائسرائے سے مل کر مرکز میں عبوری حکومت کی تشکیل کے بارے میں مناسب انتظام کریں۔کانگرس نے لیگ کے فیصلے سے قبل ہی گروپ بندی کی مخالفت کا اعلان کر دیا۔کانگرس کا خیال تھا کہ لیگ مشن کی سفارشات کو مسترد کر دے گی۔اور مشن اسے مرکز میں وزارت بنانے کی دعوت دے گا۔مگر قائداعظم کی دوربین نگاہوں نے ان کے عزائم کو اچھی طرح بھانپ لیا تھا۔

گاندھی جی نے شروع میں تو وزارتی مشن کی سفارشات کی تعریفیں کیں ل مگر جب لیگ نے طویل المیعاد سکیم کی منظوری کا اعلان کر دیا تو کانگرسیوں کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔

عبوری حکومت:

۱۶ مئی کے اعلان کے بعد لارڈ ویول نے اعلان کیا تھا کہ وزارت میں پانچ نشستیں مسلم لیگ کو پانچ کانگرس کو ایک سکھوں کو اور ایک عیسائیوں کو دی جائے گی۔ کانگرس نے اس تجویز کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔اور کہا کہ وہ مرکز میں لیگ اور کانگرس کے نمائندوں کی مساوات کا اصول ہرگز برداشت نہ کرے گی۔ حالانکہ کانگرس گذشتہ شملہ کانفرنس میں اس اصول کو تسلیم کر چکی تھی۔کسی نتیجے پر نہ پہنچنے کے باعث وزارتی مشن اور وائسرائے نے ۱۶ جون کو اپنا فیصلہ صادر کر دیا اور مرکز میں دو اور وزارتوں کا اضافہ کر دیا۔اور پانچ مسلمان، پانچ کانگرسی ایک اچھوت، ایک سکھ، ایک پارسی اور ایک ہندوستانی عیسائی کو عارضی حکومت میں شرکت کے دعوت نامے

بھیج دیئے۔ اگر چہ وائسرائے نے اس اعلان میں اپنے پہلے اعلان سے انحراف کیا تھا تاہم قائداعظم نے عبوری حکومت میں شامل ہونا منظور کرلیا۔

اس موقعہ پر کانگریس ایک اور روڑا اٹکانے کی کوشش کی اور مطالبہ کیا کہ مسلمانوں میں ایک نشست مسلم نیشلسٹ کو بھی دی جائے۔ اس کے ساتھ ہی ہندوستانی عیسائیوں کی نشست ہڑپ کر جانے کی کوشش کی اور اس طرح عبوری حکومت میں شامل ہونے سے انکار کردیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی طویل المعیا دسکیم کو منظور کرلیا۔ لارڈ ویول نے اس موقعہ پر پھر کانگرسی دوستی کا ثبوت دیا۔ حالانکہ پہلے فیصلے کے مطابق کانگرس کے انکار پر اس کو چاہیے تھا کہ لیگ کو مرکز میں وزارت کی دعوت دیتا مگر اس نے ایسا نہ کیا۔ بلکہ اس کے برعکس آٹھ وزراء مشتمل ایک محافظ حکومت قائم کر دی۔ جس میں چھ انگریز ایک مسلمان اور ایک ہندو وزیر تھا۔ اس موقعہ پر قائداعظم نے لارڈ ویول کو لکھا۔

"آپ نے اپنے الفاظ سے پھر جانا مناسب خیال کیا ہے"

مرکزی انتخابات میں اگر چہ لیگ کو زبردست کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ مگر دس لاکھ پر ایک رکن کی تجویز سے مرکز میں ہندوؤں کو بھاری اکثریت حاصل تھی۔ یہی وجہ تھی کہ پنڈت جواہر لال نہرو نے ۱۰ جولائی کو واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ جب ہندوستان کی ایک یونین مرتب ہو جائے گی تو گروپ بندی کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔ اس کا واضح مطلب یہ تھا کہ مشن نے مسلم مفادات کے جو معاہدے کیے ہیں، پنڈت نہرو ان سے انکار کرتے ہیں۔ اس پر قائداعظم نے برطانی حکومت کو ایک احتجاجی مراسلہ ارسال کیا کہ پنڈت نہرو نے واضح الفاظ میں کہہ دیا ہے کہ کانگرسی مشن کی طویل المیعاد سکیم کو منظور نہیں کرے گی۔ وہ دستور ساز اسمبلی میں پروپیگنڈا کے لیے شریک ہوگی اور یہ وزارتی مشن سکیم کی قطعی خلاف ورزی ہوگی۔

اس موقعہ پر لارڈ ویول نے ایک دفعہ پھر کوشش کی کہ کانگرس نے عبوری

حکومت کے مقاطعہ کا جو فیصلہ کیا ہے اس سے دست بردار ہو جائے۔ وائسرائے نے ۲۲/ جون کو قائداعظم کو لکھا کہ اگر مسلم لیگ اس پر تیار ہو کہ نشستوں کی تقسیم پر نظر ثانی کی جائے تو کانگرس کو راضی کی جا سکتا ہے۔ یعنی چھ نشستیں کانگرس کو پانچ مسلم لیگ کو اور تین اقلیتوں کو دی جائیں۔

اس کے جواب میں قائداعظم نے لکھا۔

''یہ چوتھی تجویز ہے جو آپ نے عبوری حکومت کے سلسلے میں پیش کی ہے۔ اس سے قبل تین مرتبہ آپ نے کانگرس کو مطمئن کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوئے۔ ہمیشہ آپ کا رویہ کانگرس کی حمایت اور مسلم لیگ کی مخالفت میں رہا۔ آپ کی موجودہ تجویز واضح طور پر اصول مساوات کو برباد کرنے والی ہے اور آپ لیگ کے مقابلے میں کانگرس کو واضح اکثریت دے رہے ہیں''۔

۱۰ جولائی کے بعد پنڈت نہرو نے ۲۳ جولائی کو پھر اپنے انھیں الفاظ کا اعادہ کیا جو انہوں نے بمبئی میں کہے تھے کہ گر ہم دستور ساز اسمبلی میں اپنی مرضی کے مطابق کام نہ کر سکے تو اسے ختم کر دیں گے۔

راست اقدام:

۲۸ جولائی کو بمبئی میں لیگ کونسل کا جلسہ ہوا۔ جس میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم نے مسلمانوں کے سامنے گذشتہ ساڑھے تین ماہ کی کارگزاری کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے کانگرس اور برطانی حکومت کی ریشہ دوانیوں کو واضح اور واشگاف الفاظ میں طشت از بام کیا۔ اور لارڈ پیتھک لارنس نے کانگرس کے زیر اثر دارالامراء میں جو یہ کہا تھا کہ قائداعظم کو اسلامیان ہند کی اجارہ داری حاصل نہیں اس کا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

''میں بنیا نہیں ہوں کہ مول تول کروں اور نہ میں کسی ملک سے پٹرول کی اجارہ

داری مانگ رہا ہوں۔وزیر ہند و نے جو الفاظ استعمال کیے ہیں مجھے افسوس ہے کہ وہ ان کے شایان شان نہیں تھے۔ملت اسلامیہ کوئی مال تجارت نہیں۔جس کا کوئی اجارہ دار ہو۔میرا شروع ہی سے مطالبہ ہے کہ عبوری حکومت میں کسی غدار مسلمان کو شامل نہیں کیا جائے گا۔وائسرائے نے ۲۲/جون کو جو خط صدر کانگرس کو لکھا، اس میں واضح طور پر لکھ دیا تھا کہ عبوری حکومت میں کسی غیر لیگی کو شامل نہیں کریں گے''۔

آپ نے کہا،

''میں لارڈ پیتھک لارنس سے پوچھتا ہوں کہ جناح کو دو دن قبل مسلم نامزدگیوں کی اجارہ داری حاصل تھی، وہ آج کیوں ختم ہوگئی۔ محض اس لیے کہ کانگرس کو اس پر اعتراض ہے؟''

آپ نے قوم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس وقت جو حالات پیش آئے ہیں ل ان کی بنا پر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مسلم لیگ کے لیے اس کے سوا اب کوئی چارہ نہیں رہ گیا کہ وہ اپنے نصب العین پاکستان پر مضبوطی سے قائم رہے۔کسی سے اعانت کی توقع رکھنا فضول اور عبث ہے۔ دنیا کی کوئی عدالت ایسی نہیں جس کے سامنے ہم اپنے کیس کو لے جائیں۔ ہماری واحد عدالت ملت اسلامیہ ہے۔اسی کا فیصلہ ہوگا اور اسی کی ہم پابندی کریں گے۔

چنانچہ اس اجلاس میں وزارتی مشن کی تجاویز کو مسترد کر دیا گیا اور قائداعظم کو مکمل اختیار دے دیا گیا کہ جو وہ مناسب اقدام چاہیں اختیار کریں۔ فیصلہ ہوا کہ اب رات اقدام اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔اس کے لئے ۱۶ اگست کی تاریخ مقرر کی گئی۔ نیز لیگ نے تمام مسلمان خطاب یافتگان سے اپیل کی کہ وہ اپنے تمام اعزازات اور خطابات حکومت کو واپس کر دیں۔

قائداعظم کے تقریر کے بعد سر کردہ مسلمان پلیٹ فارم پر آئے اور حکومت برطانیہ کی طرف انہیں جو خطابات ملے ہوئے تھے ان کو ترک کرنے کا اعلان کیا۔

تمام ہال نعرۂ تکبیر کے فلک شگاف نعروں سے گونج رہا تھا۔

قائداعظم جب اجلاس سے جانے لگے تو آپ نے اعلان کیا کہ ہم اپنے مقصد عزیز کو حاصل کر کے رہیں گے۔ اس پر ایک پچھتر سال کا بوڑھا چلایا کہ آپ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

آپ نے کڑک فرمایا کہ سب سے پہلے میں اپنی قربانی پیش کرتا ہوں۔ میں مجاہدین کی ایک فوج تیار کروں گا اور انگریزی پولیس کو دعوت دوں گا کہ وہ سب سے پہلے میرے سینے میں گولی مارے۔

قائداعظم کی اس تقریر نے مسلمانوں کے اندر ایک تازہ ولولہ اور نیا جوش پیدا کر دیا۔ ان کے ذہن میں بھی یہ بات نہ آ سکتی تھی کہ ایک قانون پسند وکیل سب سے بڑھ کر قربانی کا ثبوت دے گا۔ آپ کی ہمشیرہ محترمہ کا بیان ہے کہ اس کے بعد ہمیں ہر وقت خیال رہتا تھا کہ قائداعظم کو کسی بھی وقت گرفتار کر لیا جائے گا۔

مسلم لیگ نے جب وزارتی مشن سکیم کو مسترد کر دیا تو ہندو سیاست میں پھر ایک نئی روح پیدا ہوئی اور حکومت نے بھی اس موقعہ کو غنیمت جان کر پنڈت نہرو کو عبوری حکومت کے لیے وزارت بنانے کی دعوت دے دی۔ چنانچہ ۲ ستمبر ۱۹۴۶ء کو یہ وزارت معرض وجود میں آ گئی۔ مسلمانوں نے اس دن سارے برصغیر میں ''یوم سیاہ'' منایا اور حکومت کی روش اور کانگرس کے کردار کے خلاف نفرت و حقارت کا اظہار کیا۔

فسادات:

فسادات کی ابتدا ۱۶ اگست کو یوم راست اقدام سے کلکتہ سے ہی شروع ہو چکی تھی۔ ہندو پہلے ہی سے فساد کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ چنانچہ جب مسلمانوں کا پرامن جلوس نکلا تو مسلح ہندوؤں نے نہتے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ جس میں کئی بے گناہ شہید اور زخمی ہوئے۔ لیکن ۲ ستمبر کو جب کانگرس وزارت برسر اقتدار آئی تو

ہندوؤں نے یہ خیال کیا کہ انہیں رام راجیہ مل گیا ہے۔ چنانچہ جگہ جگہ فساد کی آگ پھیل گئی۔

ستمبر ۱۹۴۶ء میں نواکھلی مشرقی بنگال میں فساد ہوا۔ اکتوبر میں ہندوؤں نے بہار میں مسلمانوں کے گھروں پر مسلح اور منظم حملے شروع کر دیئے اور کانگرسی وزارت کے سائے میں مسلمانوں کے بے دریغ قتل عام کیا گیا۔ ہندو پولیس اور فوج نے غنڈوں کی مدد کی۔ بہار کے فساد میں تقریباً بیس ہزار مسلمان شہید ہوئے۔ اور بیشتر تبدیلی مذہب پر مجبور کیئے گئے۔

فساد کی یہ آگ بمبئی بھی پہنچ گئی۔ جو تقسیم ملک تک بھڑکتی رہی۔ یو۔ پی میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کیا جانے لگا۔ وہاں ان کے گھروں کو جلا کر انھیں بے خانماں کر دیا گیا۔ گڑھ کیتسر کے میلے پر ہندو یاتریوں نے مسلمانوں پر اچانک حملہ کر کے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ غرضیکہ ۱۹۴۶ء کا سال انہی ہنگاموں میں ختم ہو گیا۔

لیگ مرکز میں:

چونکہ ملک میں فتنہ و فساد کی ایسی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ جو ختم ہونے میں نہ آتی تھی۔ لہذا لارڈ ویول اور پنڈت نہرو نے محسوس کیا۔ کہ قائداعظم کو شرکت کی دعوت دی جائے۔ چنانچہ قائداعظم وائسرائے سے ملے اور نواب بھوپال کی مساعی سے ایک دفعہ پھر گاندھی قائداعظم ملاقات کا بندوبست کیا گیا۔ چنانچہ مسلم لیگ اور کانگرس میں سمجھوتہ ہو گیا۔ اور گاندھی جی نے اس پر دستخط کر دیئے۔ لیکن اگلے دن ہی یہ دیکھ کر لوگ حیران ہو گئے کہ گاندھی جی کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے غلطی سے دستخط کر دیئے ہیں۔ وہ مسودہ کے حقیقی معنوں کو نہیں سمجھ سکے تھے۔

آخر پندرہ روز کی مسلسل گفت و شنید کے بعد اوائل اکتوبر میں مسلم لیگ مرکز میں شریک ہونے کو تیار ہو گئی اور قائداعظم نے نواب زادہ لیاقت علی خاں کی

سر کردگی میں مسلم لیگی وزراءمنتخب کئے۔ جن میں نواب زادہ مرحوم کے علاوہ سردار عبدالرب نشتر، راجہ غضنفر علی خاں، مسٹر اسماعیل چندریگر، مسٹر جوگندرناتھ منڈل وزیر مقرر ہوئے۔

مسلم لیگ کے مرکز میں آتے ہیں پنڈت نہرو اور کھل کھیلے۔ انہوں نے فوراً ۹ دسمبر کو مجلس دستور ساز کا اجلاس طلب کیا ہے۔ میرے خیال میں یہ ایک بہت بڑا غلط اقدام ہوگا۔ اس اعلان کا صاف مقصد یہ ہے کہ وائسرائے کانگرس کے ہاتھ میں کھیل رہے ہیں۔ وہ کانگرس کو خوش کرنا چاہتے ہیں اور مسلم لیگ کو نظر انداز کیا جارہا ہے۔ میں واضح طریق پر بتادینا چاہتا ہوں کہ کوئی مسلم ممبر اس اجلاس میں شرکت نہ کرے۔

ایک اور گول میز کانفرنس:

ملک میں ہندو مسلم فسادات بڑے زور شور سے شروع تھے اور ملک میں خانہ جنگی کی صورت پیدا ہوچکی تھی۔ ان ہنگامہ آرائیوں نے وائٹ ہال میں بھی زلزلہ پیدا کردیا اور برطانی حکومت نے ایک بار پھر تصفیہ کی صورت کی۔ چنانچہ قائداعظم نے اعلان کیا کہ لارڈ ویول محمد علی جناح، لیاقت علی خاں، پنڈت جواہرلال نہرو اور سکھ نمائندہ سردار بلدیو سنگھ لندن آئیں۔ چنانچہ یہ سب لوگ ۳ دسمبر کو برطانی حکومت سے بات چیت کرنے کے لیے لندن پہنچ گئے۔

۶ دسمبر کو کانفرنس شروع ہوئی جس میں ہندوستانی نمائندوں کے علاوہ مسٹر ایٹلی وزیراعظم، لارڈ پیتھک لارنس، سرسٹیفورڈ کرپس اور مسٹر الیگزینڈر نے بھی شرکت کی۔ شملہ کانفرنس کی طرح یہاں بھی کوئی اپنے موقف سے ہٹنے کو تیار نہ ہوا۔ مسٹر ایٹلی نے اس بات پر زور دیا کہ جب تک مسلم لیگ کے ارکان دستور ساز اسمبلی میں شریک نہ ہوں گے۔ حکومت اپنے اختیارات ہندوستانیوں کو سونپنے کے لیے تیار نہیں ہوگی اور وہ ہرگز ساری طاقت کانگرس کو نہ دے گی۔ اس کانفرس میں اس امر پر

زور دیا گیا کہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے انہیں دوگروپوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

اس موقعہ پر قائداعظم نے ایک طویل بیان دیتے ہوئے فرمایا کہ ''ہماری تہذیب، ہماراتمدن، ہماری زبان، ہماراطرزتعمیر، ہماری سماجی ضروریات اور ہمارا مذہب ہندوؤں سے بالکل الگ ہے۔اس لیے ہم اپنی زندگی اپنے مخصوص طریقوں سے بسر کرنے پرآرزومند ہیں اور یہ اسی طرح ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنا الگ قومی وطن بنانے کا موقعہ دیا جائے۔لہذا حکومت برطانیہ کا فرض ہے کہ وہ ہندوؤں کی اکثریت اور مسلمانوں کو مسلمانوں کی اکثریت کے علاقے دے دے۔اب ہندوستان کی تقسیم کے ماسوا اورکوئی چارہ کارنہیں رہ گیا ہے۔''

کانفرنس کی ناکامی کے بعد مسٹرایٹلی وزیراعظم نے ملک کامعظم کی حکومت کی طرف سے اعلان کیا ''کہ مجلس دستورساز کی کامیابی کاانحصار متفقہ لائحہ عمل پر ہے۔ اگرکوئی ایسا آئین مرتب کرلیا گیا جس میں ہندوستان کے کسی کثیر طبقے کونمائندگی نہ ملی اور وہ آئین کی خواہشات اور مرضی کے خلاف ہواتو ملک معظم کی حکومت ایسے آئین کو نارضامند علاقوں پر زبردستی ٹھونسنے کوآمادہ نہ ہوگی۔''

پنڈت جواہرلال نہرو نے اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے پوترشہر بنارس میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ:

> ''دستورساز اسمبلی خواہ کسی نوعیت کی قائم ہوئی ہو۔لیکن ہم اس اسمبلی میں جوقوانین بنائیں گے وہ پورے ہندوستان کا آئین ہوگا۔ خواہ اسے حکومت برطانیہ منظور کرے یا نہ کرے۔حکومت برطانیہ خیال کرتی ہے کہ وہ مجلس دستورساز اسمبلی میں اس حیثیت سے شریک نہ ہوں گے کہ ہمارے فیصلے برطانی حکومت کی منظوراورقبولیت کے محتاج ہوں۔ہم نے لندن کی طرف سے آنکھیں پھیر لی ہیں اور ہم کسی

بیرونی مداخلت کو برداشت نہیں کریں گے۔''

لندن میں گرج:

ایک طرف تو پنڈت جواہر لال نہرو دستور ساز آسمبلی کا ڈھونگ رچا رہے تھے کہ دستور ساز آسمبلی جو فیصلہ کرے گی۔اس پر عمل کرنا ہوگا۔خواہ انگریز اسے قبول کریں یا نہ کریں دوسری طرف قائداعظم اور نواب زادہ لیاقت علی خاں ابھی لندن میں ہی تھے۔چنانچہ وہاں کے مسلمانوں نے کنگسٹن ہال میں قائداعظم کی تقریر کا بندوبست کیا۔جس میں نہ صرف انگلستان میں رہنے والے مسلمان شریک ہوئے بلکہ بے شمار انگریز بھی قائداعظم کی تقریر سننے کے لیے آئے۔

جس وقت قائداعظم ہال میں داخل ہوئے تو ہال پاکستان زندہ باد اور محمد علی جناح کے نعروں سے گونج اٹھا۔

جب قائداعظم تقریر کے لیے کھڑے ہوئے تو ہجوم نے پرجوش الفاظ میں مطالبہ کیا کہ ہم پاکستان چاہتے ہیں اور جناح زندہ باد کے نعرے لگائے۔آپ نے آہستہ آہستہ اپنی تقریر شروع کی آپ نے فرمایا:

''مجھے انتہائی مسرت ہے کہ برطانی عوام میں بھی قدرے بیداری پیدا ہوئی ہے۔برطانی قوم کی یہ روایت ہے کہ وہ صرف اس وقت بیدار ہوتی ہے جب کوئی خطرہ ہو۔''

آپ نے اپنے فیصلہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔''ہم کیا چاہتے ہیں؟ ہمارا آخری مطالبہ کیا ہے؟اس کا صرف یہی جواب ہے کہ ''پاکستان''۔

اس موقعہ پر ایک دفعہ پھر ہال جناح زندہ باد اور پاکستان زندہ باد کے نعروں سے گرنج اٹھا۔

قائداعظم نے اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

''ہم اپنی ایک الگ اور آزاد مملکت چاہتے ہیں۔جس میں ہم

اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرسکیں۔ ہندوؤں کا اس میں کیا نقصان ہے نقشہ کو دیکھیئے۔ ہندوستان کا تین چوتھائی بہترین حصہ ان کے پاس رہے گا۔

ہماری ان تجاویز پر ان کو کیا اعتراض ہے؟ ہم آزادی چاہتے ہیں۔ کیا انگریز خوف زدہ ہو کر حکومت ہندو اکثریت کے قبضہ میں دینا چاہتے ہیں؟ اگر ایسا ہوا تو تم اپنی عزت، دیانت اور معاملے کی صفائی کو سخت نقصان پہنچاؤ گے۔

مسلمان کے خون میں جمہوریت رچی ہوئی ہے۔ میں تم کو ایک مثال دیتا ہوں۔ جب میں مسجد میں جاتا ہوں تو میرا شوفر بھی میرے کندھے کے ساتھ کندھا ملا کر کھڑا ہوتا ہے۔ مسلمان بھائی چارے، مساوات اور آزادی میں یقین رکھتا ہے۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ باقی نہیں رہ گیا کہ ہندوستان کو تقسیم کر دیا جائے۔ مسلمانوں کو اپنا ملک دے دیا جائے اور ہندوؤں کو ہندوستان۔''

قائداعظم جب انگلستان سے آئے تو کراچی میں ہوائی جہاز سے اترے۔ اس وقت ان کی طبیعت بہت ناساز تھی۔ اس لیے ملیر چلے گئے۔ کیونکہ ڈاکٹروں نے بھی انہیں آرام کا مشورہ دیا تھا۔ مارچ ۱۹۴۷ء میں آپ صحت یاب ہو کر بمبئی تشریف لے گئے۔ اسی دوران میں ۲۰ فروری کو مسٹر ایٹلی وزیراعظم نے اعلان کیا کہ:

''ہندوستانی سیاسی جماعتوں میں باہمی اختلافات کے باعث مجلس دستور ساز مطلوبہ عمل یا کارگذاری سے معذور ہے۔ لیکن ایسے پرخطر دور کو زیادہ دیر تک جاری نہیں رکھا جاسکتا۔ ملک معظم کی حکومت کا پختہ ارادہ ہے کہ جون ۱۹۴۸ء تک اقتدار حکومت ذمہ دار ہاتھوں میں منتقل کر دیا جائے۔ خواہ اس کی کوئی صورت ہو۔ تاہم اس میں ملک کے عوام کے مفادات کا خاص خیال رکھا جائے گا۔''

مسٹر اٹیلی نے یہ بھی اعلان کیا کہ ملک معظم نے لارڈ مونٹ بیٹن کو ہندوستان کا آخری وائسرائے مقرر کیا ہے۔ جو ہندوستانیوں کو اختیار تفویض کرنے کا کام سر انجام دیں گے۔ چنانچہ ۲۴ مارچ ۱۹۴۷ء کو لارڈ مونٹ بیٹن آخر وائسرائے اور گورنر جنرل کی حیثیت سے ہندوستان میں آئے۔

اب کانگرس نے محسوس کیا کہ اگر لیگ مجلس دستور ساز اسمبلی میں شریک نہ ہوئی، تو مجلس کی نمائندہ حیثیت قانوناً ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ کانگرس نے وزیر اعظم کے اس اعلان سے پیدا شدہ صورت حالات کے متعلق لیگ کو دعوت غور و فکر دی۔ لیکن قائداعظم چونکہ ہندو ذہنیت سے خوب واقف تھے۔ اور آئے دن کے تجربات نے ثابت کر دیا تھا کہ یہ مسلمانوں کو اٹھنے نہیں دیں گے۔ اور رام راج کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ اس لیے انہوں نے اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اب کانگرس نے ایک اور چال چلی اور پنجاب اور بنگال کی تقسیم کا مطالبہ پیش کر دیا۔ نیز مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لیے سکھوں کے سامنے ایک الگ سکھ ریاست کا تصور پیش کیا۔

پنجاب میں تحریک لیگ اور فسادات:

جیسا کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے، پنجاب میں مسلم لیگ نے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ مگر خضر حیات اور ان کے چند ساتھی ہندوؤں اور سکھوں سے مل گئے۔ انہوں نے کانگرس اور اکالی پارٹی کے ساتھ مل کر مخلوط وزارت قائم کر لی۔ اور مسلم لیگ میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔

خضر حیات کی اس حرکت سے پنجاب کے مسلمانوں میں انتہائی تشویش اور اضطراب کی لہر دوڑ گئی اور صوبے بھر میں زبردست ایجی ٹیشن شروع ہو گئی۔ جنوری ۱۹۴۷ء میں پنجاب مسلم لیگ نے سول نافرمانی شروع کی۔ خضر حیات نے پبلک سیفٹی آرڈیننس کا سہارا لے کر مسلم نیشنل گارڈ کو خلاف قانون قرار دے دیا۔ اس نے

جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اور خضر حکومت کے خلاف جلوس نکلنے لگے۔ خضر حکومت نے مسلم لیگ کے سر برآوردہ لیڈروں اور ارکان اسمبلی کو گرفتار کرلیا۔ اگرچہ خضر حکومت نے ہر طرح کی سختی سے اس تحریک کو دبانے کی کوشش کی مگر اس میں کامیاب نہ ہوئی۔ ہزاروں آدمی ہنسی خوشی جیلوں میں چلے گئے۔ مردانہ وار سینوں پر گولیاں کھائیں، لاٹھی چارج ہوئے۔ آنسو رلانے والی گیس پھینکی گئی۔ اس کے علاوہ ہندوؤں نے ہر مرحلہ پر ہندو مسلم فساد برپا کرنے کی کوشش کی۔ مگر مسلمانوں نے اس تحریک کو بڑے ہی پرامن طریق پر چلایا۔ بچے بچے کی زبان پر ایک ہی نعرہ تھا۔

لے کے رہیں گے پاکستان

مسلم لیگ کی اس پرامن اور کامیاب تحریک کا یہ نتیجہ ہوا کہ خضر حیات نے ۲ مارچ ۱۹۴۷ء کو وزارت سے استعفیٰ دے دیا۔

خضر حیات نے مستعفی ہوتے وقت نواب ممدوٹ صدر پنجاب صوبہ مسلم لیگ کو یقین دلایا تھا کہ وہ مسلم لیگ کے ساتھ ہیں۔ اس زمانے میں پنجاب کے گورنر ایون جنکنز تھے۔ جو کھلے بندوں ہندوؤں اور سکھوں کی حمایت کر رہے تھے۔ اس لیے جب نواب ممدوٹ وزارت بنانے کے گورنر سے ملے تو انہوں نے صاف الفاظ میں کہہ دیا۔ کہ یونی نسٹ مسلمان ان کے ساتھ نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم لیگ وزارت نہ بن سکی۔ اور گورنر نے دفعہ ۹۲ الف کے ماتحت صوبے کی عنان اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لی۔

خضر حیات کی وزارت کے بعد گورنر پنجاب نے ہندوؤں اور سکھوں کی پیٹھ ٹھونکی اور اگلے ہی دن یعنی ۳ مارچ کو ماسٹر تارا سنگھ نے اسمبلی ہال لاہور کے باہر تلوار گھما کر کہا ''یا تو خالصہ پنجاب پر راج کرے گا یا مٹ جائے گا''۔

مسلم لیگی رہنماؤں نے بڑی کوشش کی کہ صوبے کی فضا خراب نہ ہو لیکن ہندو اور سکھ نے فساد کی منظم تیاریاں کر رکھی تھیں۔ اس لیے لاہور، امرتسر اور راولپنڈی

میں شدید فساد شروع ہو گئے۔ ہندو محلوں میں جو مسلمان تھے ان کو قتل کر دیا گیا اور راہ چلتے مسلمانوں پر حملے ہونے لگے۔

لارڈ مونٹ بیٹن:

لارڈ مونٹ بیٹن نے آتے ہی ملک کے مختلف رہنماؤں سے بات چیت شروع کر دی۔ یہ اگرچہ شریف اور متین انسان تھے مگر پھر بھی انہوں نے کانگرس کی سر پرستی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

جب ہندوؤں کو یقین ہو گیا کہ قائداعظم ایک غیر متزلزل ارادے کے انسان ہیں اور وہ پاکستان سے کم پر ہرگز راضی نہ ہوں گے تو انہوں نے مطالبہ کیا کہ پنجاب اور بنگال کے جن اضلاع میں ہندوؤں کی اکثریت ہے، انہیں ہندوستان سے ملا دیا جائے۔

☆

تقسیم ملک

لارڈ مونٹ بیٹن کی بڑی خواہش تھی کہ وزارتی مشن سکیم کو عملی جامہ پہنایا جائے۔کانگرس کو اس سے اتفاق تھا۔لیکن قائداعظم اپنے مطالبے پر چٹان کی طرح مضبوطی سے ڈٹے ہوئے تھے۔جب لارڈ مونٹ بیٹن اور پنڈت نہرو میں پہلی ملاقات ہوئی تو لارڈ مونٹ بیٹن نے قائداعظم کے متعلق کانگرس کا نقطہ نظر معلوم کرنے کے لیے چند ایک سوالات کیے جن کے جواب میں پنڈت نہرو نے کہا کہ آخری عمر میں ان کی کامیابی کے آثار آرہے ہیں۔اس سے پہلے ہندوستان کی سیاست میں ان کا کوئی نمایاں مقام نہیں تھا۔وہ ایک کامیاب وکیل ہیں۔تاہم پنڈت نہرو کو یہ کہنا پڑا کہ اکیلے جناح ہی ۱۹۳۵ء سے اس مقصد کے لیے لڑ رہے ہیں۔

جب قائداعظم لارڈ مونٹ بیٹن سے ملے تو آپ نے کہا کہ میں صرف ایک شرط پر گفتگو میں شریک ہوسکتا ہوں۔لیکن لارڈ مونٹ بیٹن نے کہا میں کسی بھی شرط پر گفتگو نہیں کر رہا۔میں صرف آپ کے خیالات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔گفتگو کے بعد لارڈ موصوف کو کہنا پڑا۔"جناح کس قدر ٹھنڈے دل و دماغ کے مالک ہے"۔

گفتگو کا سلسلہ جاری رہا مگر کوئی قابل قبول حل برآمد نہ ہوا۔ملک میں ہندو مسلم فسادات شدت اختیار کرتے جا رہے تھے۔سیوک سنگھ کے منظم دستے منظم طریق سے مسلمانوں پر حملے کر رہے تھے۔اس موقعہ پر پنڈت نہرو نے دھمکی دے کہ اگر کوئی فیصلہ نہ ہوا تو وہ مستعفی ہو جائیں گے۔دوسری طرف قائداعظم کا ایک ہی مطالبہ تھا"پاکستان"۔

ملک کی حالت بد سے بدتر ہو رہی تھی۔قتل و غارت گری،لوٹ مار اور آتشزنی کی مسموم فضا نے شہروں سے نکل کر پر امن قصبات اور دیہات کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔وہ لوگ جو صدیوں سے ایک دوسرے کے ہمسائے اور ایک دوسرے

کے دکھ سکھ کے ساتھی اور شریک چلے آتے تھے۔ آج ایک دوسرے کے بدترین دشمن تھے۔ جو لوگ ایک دوسرے سے ملتے بھی تھے ان کے دلوں میں بھی ایک خوف اور اندیشہ ضرور ہوتا تھا۔ کیونکہ ایک کو دوسرے پر کوئی اعتماد نہ تھا۔

ملک کی اس حالت کو دیکھتے ہوئے لارڈ مونٹ بیٹن، وائسرائے ہند نے قائداعظم اور گاندھی جی سے درخواست کی کہ اپنی اپنی قوم کو پرامن رہنے کی تلقین کریں اگرچہ ان کی تقریریں ریڈیو پر براڈ کاسٹ ہوئیں۔ اخبارات میں چھپیں مگر ہندو مسلم فساد کی جو آگ بھڑک چکی تھی وہ ان اپیلوں سے فرو نہ ہو سکی۔

اس وقت یہ صورت حالات تھی کہ ہندوؤں نے ایک منظم طریق پر ایسی پارٹیاں بنا رکھی تھی۔ جن کو باقاعدہ تربیت دی گئی تھی۔ ان کے مقابلے میں مسلمان غیر منظم اور غیر مسلح تھے۔ آخر مسلمانوں نے بھی کوشش کی کہ جس طرح ہندوؤں اور سکھوں نے فسادات کے لیے باقاعدہ جتھہ بندی کر رکھی ہے اسی طرح ہم بھی اپنے آپ کو منظم کریں تاکہ ان حملوں کا منہ توڑ جواب دیا جا سکے۔ جب یہ معاملہ قائداعظم کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے انکار کر دیا۔ کہ ملک میں امن کی ضرورت ہے۔ میں ایسی جتھہ بندی کی اجازت نہیں دے سکتا۔

ہندو مسلم کشیدگی اور ختم کرنے اور ملک میں امن و سلامتی قائم کرنے کے لیے اب حکومت کے سامنے بھی اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہ گیا تھا۔ کہ ملک کو تقسیم کر دیا جائے۔

۲۳ اپریل کو لارڈ مونٹ بیٹن اور قائداعظم میں پھر گفتگو ہوئی۔ عام طور پر قائداعظم گفتگو میں ترش روئی اختیار کر لینے کے عادی تھے۔ لیکن آج ان کی گفتگو بڑے متوسط طریق پر ہو رہی تھی۔ قائداعظم نے وائسرائے سے کہا کہ ہندو روپے میں سے سترہ آنے طلب کرتا ہے جو زیادتی ہے۔ تاہم قائداعظم نے پنجاب اور بنگال کی تقسیم کو بھی اس لیے تسلیم کر لیا کہ پاکستان بن سکے۔

۳ جون کا اعلان:

۲ مئی کو لارڈ اسمے وائسرائے کا منصوبہ لے کر لندن گئے۔ جہاں ۱۰ مئی کو پارلیمنٹ نے اس منصوبہ کو منظور کر لیا۔ ۱۷ مئی کو وائسرائے نے ہندو مسلم اور سکھ لیڈروں کی ایک کانفرنس طلب کی جس میں اس سکیم کو ان کے سامنے پیش کیا گیا۔ ان کی رضامندی حاصل کرنے کے بعد وائسرائے ہند اب کے خود لندن گئے۔ اور برطانی حکومت کے سامنے تقسیم ملک کی سکیم رکھی۔ جسے حکومت نے تسلیم کر لیا۔ چنانچہ فیصلہ ہوا کہ۔

۱۔ ہندوستان کو درجہ نو آبادیات دے دیا جائے۔

۲۔ ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

۳۔ مسلم اکثریت والے علاقوں کی حدود مقرر کرنے کے لیے ایک مشترکہ کمیشن وجود میں لایا جائے۔

۴۔ بنگال اور پنجاب کو مسلم اکثریت اور ہندو اکثریت کے علاقوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

۵۔ شمال مغربی سرحدی صوبہ رائے شماری کے بعد فیصلہ کرے کہ وہ ہندوستان میں شامل ہونا چاہتا ہے یا پاکستان میں۔

۶۔ ریاستوں کو حق ہو گا کہ وہ ہندوستان اور پاکستان میں جس نو آبادی میں شریک ہونا چاہیں شریک ہو جائیں یا خود مختار رہیں۔

۷۔ آسام اور سندھ کی مجالس قانون ساز اور بلوچستان کا شاہی جرگہ کثرت راہی دے فیصلہ کریں گے کہ وہ ہندوستان یا پاکستان میں کس کے ساتھ شامل ہونا چاہتے ہیں۔

۸۔ ہندوستان اور پاکستان اپنے اپنے علاقے کے لیے مناسب قوانین وضع کریں گے۔

۱۲ جون ۱۹۴۷ء کو ہندوستانی رہنماؤں کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں مسلم لیگ کی طرف سے قائداعظم، نواب زادہ لیاقت علی خاں اور سردار عبدالرب نشتر، کانگرس کی طرف سے پنڈت جواہر لال نہرو، ولبھ بھائی پٹیل اور مسٹر کرپلانی او رسکھوں کی طرف سے سردار بلدیو سنگھ شریک ہوئے یہ کانفرنس دو گھنٹے تک جاری رہی۔

جمہوریت پسند قائد:

پنڈت نہرو نے تو اس سکیم کو منظور کر لیا۔ مگر قائداعظم نے فرمایا کہ اگرچہ یہ فیصلہ میری خواہشات کے عین مطابق ہے مگر منظور سے قبل میں لیگ کی مجلس عاملہ کی رائے لینا ضروری خیال کرتا ہوں۔ کیونکہ اسی کو کسی چیز کے قبول واسترداد کا حق ہے میں ان کے نمائندہ کی حیثیت سے یہاں آتا ہوں۔ وائسرائے نے اگرچہ بہت زور دیا کہ لیگ کی طرف سے اپنی منظوری کا اعلان کر دیا مگر کوئی اپیل اور دباؤ کارگر نہ ہوا اور قائداعظم اپنی بات پر اڑے رہے۔ آخر وائسرائے نے آپ سے اپیل کی کہ مجھے امید ہے کہ اب جو کچھ مل رہا ہے آپ اس کو ضائع نہیں کریں گے۔ میں آپ سے صرف اس کی یقین دہانی چاہتا ہوں کہ آپ اس کو قبول کر لیں گے اور مجھے یقین ہے کہ آپ کے قبول کر لینے کے بعد مسلم لیگ اس کو مسترد نہیں کرے گی۔

۳ جون کو جو کانفرنس ہوئی اس میں تمام لیڈروں نے اس سکیم کی منظور کا اعلان کر دیا۔ اس روز شام کو وائسرائے نے آل انڈیا ریڈیو پر اس سکیم کا اعلان کیا۔ ان کے بعد پنڈت نہرو اور قائداعظم اور سردار بلدیو سنگھ نے تقریریں کیں۔ قائداعظم جب تقریر کر چکے تو آپ نے ''پاکستان زندہ باد'' کا نعرہ لگایا جو ان کی تقریر میں نہیں لکھا ہوا تھا۔ وائسرائے نے یہ بھی اعلان کر دیا کہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ملک تقسیم کر دیا جائے گا اور دنیا کے نقشے پر ایک نئے ملک کا ظہور ہوگا۔

برطانی حکومت نے سر ریڈکلف کو حدود بندی کمیشن کا صدر مقرر کیا۔ حدود بندی

اور تقسیم کا کام بڑی سرعت سے شروع ہوگیا۔ فیصلہ ہوا کہ یہ کمیشن مندرجہ ذیل امور کی روشنی میں حد بندی کا کام کرے گا۔

۱۔ حد بندی علاقہ میں ہندو مسلم اکثریت

۲۔ جغرافیائی مطابقت

۳۔ مذہبی یا مقدس مقامات وغیرہ۔

آزادی ہند کا بل:

۱۰ جولائی ۱۹۴۷ء کو دارالعلوم میں آزادی ہند کا بل پیش کر دیا گیا۔ اور ۱۵ جولائی تک اس کی تیسری خواندگی بھی منظور ہوگئی۔ اگلے روز دارالامراء نے بھی اس بل کی منظوری دے۔ اور ۱۸ جولائی کو ملک معظم کی منظوری کے بعد اس بل نے قانونی شکل اختیار کر لی۔ جس کی رو سے ہندوستان اور پاکستان کے لوگوں کو انگریز کی دوصد سالہ غلامی سے نجات حاصل ہوئی۔

سلہٹ اور صوبہ سرحد میں رائے شماری کرائی گئی اور انہوں نے پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ کر دیا۔ اسی طرح بلوچستان بھی پاکستان میں شامل ہوگیا۔

۱۵ اگست کو برصغیر ہندوستان کو تقسیم کر دیا گیا اور دنیا کے نقشے پر ایک نئے ملک کا ظہور ہوا۔ جس کا نام "پاکستان" تجویز ہوا۔ یہ وہی پاکستان تھا جو گزشتہ دس سال سے ہمسایہ قوموں کے دلوں میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا اور جس کے حصول میں انہوں نے قدم قدم پر روڑے اٹکانے کی زبردست کوشش کی تھی۔ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل قائداعظم مقرر ہوئے اور ہندستان کے گورنر جنرل لارڈ مونٹ بیٹن ہی رہے۔ ایک سال کے بعد جب وہ چلے گئے تو راج گوپال اچاریہ گورنر جنرل بنے۔

حد بندی کمیشن کا فیصلہ:

اگرچہ قائداعظم کو یقین تھا کہ انگریز ہمیشہ سے کانگرس کی سرپرستی کرتا چلا آیا ہے اس لیے سر ریڈ کلف حد بندی میں انصاف سے کام نہیں لیں گے، لیکن اب جبکہ

پاکستان بن چکا تھا تو انہوں نے اس کی مخالفت کرنا پسند نہ کیا۔ اس کمیشن کے متعلق جو خدشات تھے وہ ۱۷ اگست کو پورے ہو کے رہے جب اس نے اپنا فیصلہ دے دیا۔

حد بندی کمیشن اور پاکستان کی حدود کا تعین کرتے وقت پاکستان کے جائز حقوق کی حفاظت میں اس درجہ قاصر رہا کہ مسلمانوں کو کمیشن کے صدر اور وائسرائے کی غیر جانبداری پر شبہ ہونے لگا ور انہیں یقین ہو گیا کہ کمیشن کے صدر اور وائسرائے اس فیصلے میں ہندوستان سے جانبداری سے کام لیں گے اور یہ اس لیے کیا جا رہا ہے کہ یہ نوزائیدہ مملکت اپنے پاؤں پر کھڑی نہ ہو سکے اس فیصلے کی رو سے:

۱۔ واضح مسلم اکثریت کا ضلع گورداس پور سوائے تحصیل شکر گڑھ کے جو دریائے راوی کے مغرب کی طرف واقع تھی، ہندوستان میں شامل کر دیا گیا اور یہ محض اس لیے کیا گیا کہ کشمیر کی ۹۵ فی صدی مسلم آبادی پر ہندوؤں کا اقتدار قائم رہ سکے اور ابتدا ہی میں پاکستان کو اس کشمکش میں الجھا دیا جائے۔ کشمیر کے موجودہ تنازعہ کا باعث یہی غیر منصفانہ فیصلہ ہے۔

۲۔ ضلع لاہور کا جنوب مشرقی حصہ ہندوستان کے حوالے کر دیا گیا اور اس طرح فیروز پور ہیڈ ورکس کو مشرقی پنجاب میں شامل کر کے پاکستان کے لیے آب رسانی کی مشکلات پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔

۳۔ پنجاب کے بڑے بڑے شہروں میں جوگندر نگر سے بجلی مہیا ہوتی تھی۔ گورداسپور پر ہندوستان کا قبضہ ہو جانے سے یہ بجلی گھر بھی ہندوستان کے قبضے میں چلا گیا اور اس طرح مغربی پنجاب میں بجلی کی مشکلات پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔

۴۔ مشرقی پاکستان میں مرشد آباد مسلم اکثریت کا بہترین ضلع ہندوستان کے حوالے کر دیا گیا۔ اس کے عوض کھلنا کا نکما ضلع پاکستان کو دے دیا گیا۔

۵۔ سلہٹ، مالوہ، ندیا، جیسور اور دیناج پور کے بہت سے حصے کاٹ کر ہندوستان کے حوالے کر دیئے گئے۔ اور ان کے عوض میں جلپا گوڑی کے ضلع کا کچھ

حصہ پاکستان کو دے دیا گیا۔

اسی طرح ریلوے، بری، بحری اور ہوائی فوج، ان کی املا، بنک۔ روپیہ نہروں اور بجلی کی معاملے میں کئی قسم کی غیر متناسب اور غیر منصفانہ تقسیم ہوئی اور اسی طرح پاکستان بہت گھاٹے میں رہا۔

مرکزی اور صوبائی وزارتیں:

قائداعظم پاکستان کے پہلے گورنر جنرل مقرر ہوئے اور نواب زادہ لیاقت علی خاں نے مرکز میں وزارت مرتب کی۔ کراچی کو مملکت پاکستان کا دارالحکومت مقرر کیا گیا۔ پنجاب میں خان ممدوٹ نے وزارت بنائی تھی۔ بنگال میں خواجہ ناظم الدین وزیراعظم بنے۔ سندھ میں مسٹر کھوڑو اور سرحد میں خان عبدالقیوم خان نے وزارت بنائی۔ اگرچہ قدم قدم پر مشکلات اور رکاوٹیں درپیش تھیں، پھر بھی ان لوگوں نے بڑی جرأت اور وفاداری سے اس کام کو سنبھال لیا۔

پنجاب اور بنگال کی تقسیم کے باعث تمام نظم ونسق درہم برہم ہو چکا تھا۔ ہندو سرکاری ملازمین ہندوستان چلے گئے تھے۔ پاکستان کے حصے کا مال ہندوستان میں رکا ہوا تھا۔

اقلیتوں کا تحفظ:

قائداعظم نے پاکستان کا مطالبہ اس لیے کیا تھا کہ برصغیر کی دونوں بڑی قومیں اپنے اپنے علاقوں میں آرام اور چین سے زندگی بسر کرسکیں۔ پاکستان مسلمانوں کا قومی وطن ہو اور ہندوستان میں ہندوؤں کی اکثریت حکومت کرے۔

اس سے پہلے قائداعظم نے پرامن تبادلے کی تجویز پیش کی تھی جس کو کانگرس نے مسترد کر دیا تھا۔ لیکن آخر وہی تبادلہ آبادی ہوا لیکن شریفانہ نہیں بلکہ شرمناک طریق پر۔ اس کے بعد قائداعظم نے کوشش کی کہ دونوں مملکتوں میں اقلیتوں کے تحفظ کی ضمانت ہونی چاہیے۔ اور دونوں حکومتیں اپنی اپنی حدود میں اقلیتوں کے جان

و مال کی ذمہ داری لیں۔ لیکن کانگرس نے اس کو بھی قبول نہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب مشرقی پنجاب اور ریاستوں میں مسلمانوں پر منظم حملے ہونے شروع ہو گئے تو ان علاقوں میں رہنے والوں نے اپنی عافیت اسی میں سمجھی کہ وہ اپنی جان اور عزت بچا کر پاکستان پہنچ جائیں۔ لیکن پھر بھی ان کے نہتے قافلوں پر حملے کر کرے ان کو تہ تیغ کیا گیا۔ ان کا مال و اسباب لوٹ لیا گیا ور عورتیں اغوا کر لی گئیں۔ غرضیکہ یہ لوگ انتہائی پریشانی اور مصیبت میں پاکستان پہنچے۔

پاکستان بنتے ہی مہاجرین کی اس طرح آمد پاکستان کے لیے بہت صبر آزما مرحلہ تھا۔ اگر چہ قوم ان لٹے پٹے لوگوں کی حالت پر آٹھ آٹھ آنسو رو رہی تھی۔ لیکن یہ قائداعظم کا عزم صمیم ہی تھا کہ ان مصائب میں بھی وہ ایک چٹان کی طرح ڈٹے رہے اور ان مصائب کو نہایت دانائی، جرأت اور حوصلہ مندی سے برداشت کیا۔

مشرقی پنجاب میں قتل عام اور ہجرت:

اگر چہ سرحدوں پر امن و امان قائم کرنے کے لیے لارڈ مونٹ بیٹن نے ایک برطانوی کمانڈر کے ماتحت سرحدی فوج مقرر کر دی تھی لیکن یہ فوج اپنا فرض منصبی ادا کرنے سے قاصر رہی۔ سکھوں اور راشٹریہ سیوک سنگھ نے مسلمانوں پر منظم اور مسلح حملے شروع کر دیئے۔ پنجاب کی سکھ ریاستوں نے نہ صرف قتل و غارت گری میں خود حصہ لیا بلکہ عوام میں اسلحہ بانٹا۔ گاڑیاں کھڑا کر کے عورتوں، بچوں اور مردوں کا قتل عام کیا۔ پیدل چلنے والے نہتے قافلوں پر حملے کیے اور لاکھوں کی تعداد میں مسلمان گھر بار چھوڑ کر نہایت بے سرو سامانی کی حالت میں پاکستان پہنچے۔

آزاد کشمیر:

اکتوبر ۱۹۴۷ء کو کشمیر کے ہندو راجہ ہری سنگھ نے اپنی ۸۵ فی صدی مسلمان رعایا کی مرضی کی خلاف ہندوستان میں شامل ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس پر ڈوگرہ فوج نے مسلمان بستیوں پر حملے شروع کر دیئے۔ جموں اور کشمیر کی مسلم آبادی بے دریغ

قتل کی جارہی تھی۔ یہ مظالم دیکھ کر پونچھ کے مسلمانوں کی غیرت جوش میں آئی اور انہوں نے ڈوگرہ فوج کا مقابلہ کر کے انہیں بہت دور تک پسپا کر دیا۔ اس جہاد میں سرحد کے پرجوش پٹھانوں نے بھی مسلمانوں کی مدد کی اور ایک علاقے پر قبضہ کرلیا۔ جہاں اب آزاد کشمیر حکومت نظم ونسق سنبھالے ہوئے ہے۔

آخری سال گورنر جنرل کی حیثیت سے:

ملک کی تقسیم کے بعد کانگرسی لیڈروں نے لارڈ مونٹ بیٹن سے درخواست کی کہ وہ کچھ عرصہ کے لیے منقسم ہندوستان کے گورنر جنرل رہیں۔ گورنر جنرل کے سٹاف کے بعض آدمیوں کا خیال تھا کہ پاکستان بھی ان سے گورنر جنرل بننے کی درخواست کرے گا مگر مسلم لیگ کو اس کا خیال تک بھی نہ تھا۔

ایک مرتبہ لارڈ اسمے نے نواب زادہ لیاقت علی خاں سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا کہ ابھی اس کا فیصلہ نہیں ہوا۔ چند دن کے بعد قائداعظم کے عقیدت مندوں نے آپ کو مجبور کیا کہ آپ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل بنیں۔ جسے آپ نے قبول کرلیا۔

قائداعظم ۷ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کی حیثیت سے وائسرائے کے ڈکوٹا میں دہلی سے دارالحکومت پاکستان کراچی کو روانہ ہوئے۔ آپ کی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔ جب آپ جہاز میں سوار ہوئے تو آپ نے دہلی کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ یہ وہ شہر ہے جہاں ہم نے اپنی آزادی کی جنگ لڑی۔ اور پاکستان حاصل کیا اور یہ شاید آخری باری ہے کہ میں دہلی کو دیکھ رہا ہوں۔

چار گھنٹے کی پرواز کے بعد قائداعظم کا ڈکوٹا کراچی پہنچ گیا۔ جہاں ہزار ہا مشتاقان زیارت آپ کے چشم براہ تھے۔ جب ہوائی اڈا پر آپ کا جہاز پہنچا تو فضا پاکستان زندہ باد اور قائداعظم زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھا، مسلمانوں کے اس

جوش وخروش کو دیکھ کر قائداعظم ایک خاص مسرت محسوس کر رہے تھے۔ ستر سال کے اس بوڑھے مگر جواں ہمت انسان کے چہرے پر ایک خاص رونق نظر آ رہی تھی۔ آپ بالکل نوجوان معلوم ہو رہے تھے۔ قائداعظم کی گاڑی کراچی کے جن راستوں سے گزری ان پر انسانوں کا سیلاب اُمڈا پڑتا تھا۔ جو پاکستان زندہ باد اور قائداعظم زندہ باد کے نعرے لگا رہا تھا۔ یہ وہی شہر تھا جس میں آپ نے آنکھ کھولی تھی اور جہاں آج گورنر کی حیثیت سے تشریف لائے تھے۔

قائداعظم جب گورنمنٹ ہاؤس میں پہنچے تو آپ نے لفٹنٹ ایس ایم حسن بحری اے۔ ڈی۔ سی سے فرمایا ''تم جانتے ہو کہ مجھے ہرگز توقع نہ تھی کہ میری زندگی میں پاکستان بن سکے گا۔ ہمیں خداوند کریم کا بے حد شکرگزار ہونا چاہیے کہ اس نے ہمیں اس نعمت عظمیٰ سے سرفراز فرمایا''۔ اس کے بعد آپ نے گورنمنٹ ہاؤس کا معائنہ کیا اور عملے کو مناسب ہدایات دیں۔ اس کے بعد سب سے پہلے یہ حکم دیا کہ یہاں فوراً ریڈیو لگا دیا جائے تاکہ میں خبریں سن سکوں۔ آپ کے عملے نے عرض کی آپ بہت تھکے ہوئے ہیں۔ کیوں نہ کل ریڈیو لایا جائے۔ آپ نے فرمایا ''اس میں ہرگز تاخیر نہ کی جائے۔ میں ہر کام وقت پر چاہتا ہوں''۔

اگلے دن تک آپ کی توجہ اور کوشش سے کراچی کا گورنمنٹ ہاؤس ضرورت کی ہر چیز سے آراستہ تھا۔ آپ نے بلاتاخیر پاکستان کے قیام و استحکام کی جدوجہد شروع کر دی۔

۱۴ اگست کو آپ نے پاکستان کی مجلس دستور ساز اسمبلی کے پہلے اجلاس کا افتتاح فرمایا۔ کراچی میں یہ آپ کی پہلی سرکاری مصروفیت تھی۔ جب قائداعظم کی سواری روانہ ہوئی تو گورنر جنرل ہاؤس سے اسمبلی ہال تک سڑک کے دونوں طرف انسانوں کے سروں کا ایک سمندر لہریں لے رہا تھا۔ لوگوں کے جوش مسرت دیکھ کر قائداعظم نے فرمایا:

''ہمارے پاس انسانی قوت کا کتنا شاندار سرمایہ ہے۔ اگر ہم ان کے جوش کو صحیح راہوں پر لگا سکیں تو پاکستان یقیناً دنیا کی عظیم ترین مملکتوں میں سے ایک ہوگا''۔

مجلس دستور ساز کا افتتاح فرماتے ہوئے آپ نے اہل پاکستان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''تم آزاد ہو ...... تم پاکستان کے اندر آزادی سے اپنے مندروں اور مسجدوں میں جا کر اپنے طریق پر عبادت کر سکتے ہو چاہے تم کسی قوم، مذہب اور عقیدے سے تعلق رکھتے ہو۔ پاکستان کے قیام کے بنیادی اصول کے ماتحت تم مملکت میں مساوی حیثیت کے شہری ہو۔''

آپ نے فرمایا مذہبی اعتقاد کی بنا پر ایک ہندو ہندو ہے اور ایک مسلمان مسلمان۔ کیونکہ یہ ہر انسان کا ذاتی عقیدہ ہے۔ مگر سیاسی اعتبار سے پاکستان کے سب لوگ ایک شہری کی حیثیت رکھتے ہیں۔

قائداعظم کے یہ الفاظ نبی آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے وہی احکامات تھے جو حضور نے آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے حجتہ الوداع کے موقعہ پر ارشاد فرمائے تھے کہ:

''دنیا کے تمام انسان خدا کی نگاہ میں برابر ہیں، سب کی جانیں اور جائدادیں متبرک ہیں۔ ایک دوسرے کے مال و جان کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرنا۔ آج میں قوم، رنگ اور نسل کے تمام امتیازات کو اپنے پاؤں تلے روندتا ہوں''۔

قیام پاکستان:

۱۴ اگست بروز جمعۃ الوداع پاکستان کی نئی سلطنت عالم وجود میں آئی اور پہلی مرتبہ پاکستان کا نیا جھنڈا لہرایا گیا۔ جیسے قائداعظم اور لیاقت علی خاں نے تجویز کیا تھا۔ اس میں تین چوتھائی سبز رنگ مسلم قوم کا نشان ہے اور ایک چوتھائی سفید پاکستان کی اقلیتوں کے تحفظ کا ضامن ہے۔ اگرچہ پاکستان بن گیا تھا۔ مگر مہاجرین کی آمد حکومت کے لیے ایک بہت بڑی پریشانی کا باعث بنی ہوئی تھی۔ لیکن قائداعظم کی ایک خاص شخصیت تھی۔ آپ کے دل پر اس کا کتنا ہی صدمہ کیوں نہ ہو۔ لیکن آپ کے پائے ثبات میں ذرہ بھر لغزش نہ آئی۔ اس وقت بھی آپ یہی فرما رہے تھے کہ:

''پاکستان بن گیا ہے اور قائم رہنے کے لیے بنا ہے''۔

۱۵ اگست کو پاکستان کی وزارت نے حلف وفاداری اٹھایا اور لیاقت علی خاں اس نئی مملکت کے سب سے پہلے وزیراعظم مقرر ہوئے۔

پاکستان قائداعظم کی ہمت، محنت اور استقلال کا وہ شاندار کارنامہ ہے جو دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتا۔ دنیا میں جتنے بھی ملک حاصل کیے گئے وہ تلوار کے زور سے حاصل کیے گئے۔ لیکن پاکستان کا قیام اس اعتبار سے اپنی مثال نہیں رکھتا کہ یہ بغیر فوجی طاقت کے استعمال کئے۔ محض قائداعظم کے عزم صمیم کا نتیجہ ہے۔

پاکستان بن جانے کے بعد اس کی بری، بحری اور ہوائی فوج کو آراستہ کیا گیا اور ملکی انتظام بہتر بنانے کے لیے قائداعظم شبانہ روز کام کرتے رہے۔ اگرچہ بڑھاپا اور آئے دن کی علالت اس قدر کام کی اجازت نہ دیتی تھی۔ مگر آپ نے استحکام مملکت کے لیے اپنی صحت کو قربان کر دیا۔

چونکہ یہ مملکت نئی نئی معرض وجود میں آئی تھی۔ اس لیے آپ نے مناسب خیال کیا کہ جب تک اس کے افسر اس قابل نہ ہو جائیں کہ مملکت سے کام کو احسن طریق پر نبھا سکیں، اس وقت تک کچھ برطانی افسر رکھ لیے جائیں۔ برطانی حکومت نے اس

سے اتفاق کیا۔ چنانچہ سر آر۔ چی بالڈ، مشیر مالیات مقرر ہوئے۔ سر جارج کننگھم صوبہ سرحد کے اور سر فرانسس موڈی پنجاب کے گورنر مقرر ہوئے۔ اسی طرح فوجی محکمے بھی بعض انگریز افسروں کے سپرد کیے گئے۔

مسئلہ کشمیر:

تقسیم ملک کے اعلان کے وقت لارڈ مونٹ بیٹن نے اعلان کیا تھا کہ ہندوستانی ریاستوں کے والیان کو اختیار ہوگا کہ وہ دونوں ملکوں میں سے جس کے ساتھ شامل ہونا چاہیں، شامل ہو جائیں۔ اگر وہ آزاد رہنا چاہیں تو انہیں اس کا بھی اختیار بھی ہوگا۔

جونا گڑھ، حیدر آباد اور کشمیر کے سوا تمام ہندوستانی ریاستوں نے ہندوستان کے ساتھ شامل ہونے کا اعلان کر دیا۔ بعد میں جونا گڑھ نے پاکستان میں شامل ہونے کا اعلان کیا۔ لارڈ مونٹ بیٹن نے ہندو مہاراجہ کشمیر پر زور دیا کہ وہ جلد اپنی شمولیت کا اعلان کرے۔ اگرچہ کشمیر کا راجہ ہندو تھا مگر وہاں ۸۵ فی صدی رعایا مسلمان ہے اور پھر کشمیر کو جتنے بھی راستے جاتے ہیں وہ پاکستان سے جاتے ہیں مغربی پاکستان کے تین دریا اسی خوبصورت وادی سے بہہ کر آتے ہیں۔ کشمیر کے مسلمانوں کی خواہش تھی کہ کشمیر پاکستان میں شامل ہو جائے۔ مگر ہندو مہاراجہ اپنے فیصلے میں لیت ولعل کرتا رہا۔

لیکن جب پنجاب کے دونوں حصوں میں قتل و خونریزی کا بازار گرم ہوا اور تبادلہ آبادی ہونے لگا تو بہت سے ہندو اور سکھ جموں میں پہنچ گئے اور وہاں فتنہ وفساد برپا کر دیا۔ مہاراجہ کی ہندو پولیس اور فوج نے ان کا پورا پورا ساتھ دیا اور جموں میں مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو گیا۔ یہ حالات دیکھ کر پونچھ کے بہادر مسلمانوں نے جو پاکستان کی سرحد کے قریب آباد ہیں اور جن کی زندگی عام طور پر فوج میں گزری ہے، مہاراجہ کی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور صوبہ سرحد کے پانچ ہزار

پٹھان بھی ان بھائیوں کی امداد کے لیے پونچھ پہنچ گئے۔

دو دن کے بعد مہاراجہ ہری سنگھ نے ہندوستان میں شامل ہونے کا اعلان کر دیا اور پنڈت نہرو سے درخواست کی کہ اس کی مدد کے لیے ہندوستانی فوجیں بھیجی جائیں۔

یہ حالات دیکھ کر قائداعظم پریشان ہو گئے اور ۲۶ اکتوبر کو اپنی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح کے ہمراہ لاہور پہنچ گئے تا کہ قریب بیٹھ کر حالات کا جائزہ لے سکیں۔ قائداعظم سے بات چیت کرنے کے لیے ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ مونٹ بیٹن بھی لاہور آئے۔

مہاراجہ ہری سنگھ کے اعلان شمولیت کے فوراً بعد ہندوستان نے اپنی فوجیں کشمیر میں بھیج دیں تا کہ جو علاقہ قبائلی لوگوں نے حاصل کر لیا تھا اس پر مقامی لیڈروں نے آزاد کشمیر گورنمنٹ کے نام سے اپنی حکومت قائم کر لی جواب تک قائم ہے۔

علالت:

کشمیر کا مسئلہ کسی طرح بھی سلجھتا نظر نہ آیا اور اس کے ساتھ ہی کشمیر سے مسلمانوں پر انسانیت سوز مظالم کی خبریں آنے لگیں تو قائداعظم کو بہت صدمہ ہوا۔ آپ پریشان تو پہلے ہی سے تھے۔اس نئے قضیے نے آپ کی صحت پر بہت برا اثر کیا اور آپ بیمار ہو گئے۔

قائداعظم صحت کے سلسلے میں کچھ لاپرواہ سے واقع ہوئے تھے۔نزلے اور گلے کی خرابی اگرچہ بہت بڑھ گئی تھی لیکن اس کے باوجود آپ علاج کرانے پر تیار نہ ہوئے۔جب بھی آپ سے علاج کے لیے کہا گیا آپ نے ہنستے ہوئے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میں نہیں چاہتا کہ معمولی معمولی شکایات کے لیے ڈاکٹر مجھے تختۂ مشق بنائیں۔ وہ اس کو بھی پسند نہ کرتے تھے کہ کوئی نرس ان کی دیکھ بھال کے لیے مقرر کی جائے۔

کیونکہ وہ اپنے ذاتی معاملات میں دوسرے کی مداخلت پسند نہ کرتے تھے۔

اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ قائداعظم جب زیارت میں بیمار تھے اور یہ معلوم ہو چکا تھا کہ پھیپھڑوں پر بہت زیادہ اثر ہے تو فیصلہ کیا گیا کہ کسی نرس کو آپ کی دیکھ بھال کے لیے مقرر کر دیا جائے۔ چنانچہ سول ہسپتال کوئٹہ کی نرسنگ سپر نٹنڈنٹ مسز ڈنہم کو جو ایک انگریز خاتون ہیں اس کام کے لیے مقرر کیا گیا۔ جب وہ خاتون قائداعظم کی تیمارداری کے لے گئی اور اس نے آپ کا سرہانا تبدیل کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا ''مجھے اکیلے رہنے دو اور مجھے ہاتھ نہ لگاؤ''۔ سسٹر نے جواب دیا ''بہت اچھا اگر آپ میری مدد پسند نہیں کرتے تو میں آپ کی مدد نہیں کروں گی۔ لیکن ڈاکٹر کا حکم ہے''۔

قائداعظم نے کہا۔ ''میں حکم نہیں مانا کرتا۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں''۔ سسٹر نے حکم کا لفظ واپس لیتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹروں کی درخواست ہے۔ چار دن کی تیمارداری کے سسٹر نے محسوس کیا کہ اس کا مریض دنیا سے نرالی قسم کا انسان ہے اور اس کی تیمارداری کرنا آسان کام نہیں ہے۔ اس نے ڈاکٹر الٰہی بخش کو مشورہ دیا کہ قائداعظم کی خدمت کے لیے کسی عورت کی بجائے مقرر کیا جائے۔ جب ڈاکٹر الٰہی بخش نے اس واقع کا تذکرہ تیماردار رہے گی۔ میں اس کو پسند کرتا ہوں۔ صحت کے متعلق قائداعظم کی لاپرواہی کا اس سے بھی اندازہ ہوسکتا ہے کہ قائداعظم کو بمبئی میں ہی ڈاکٹروں نے بتا دیا تھا کہ ان پر تپ دق کا حملہ ہو رہا ہے۔ مگر آپ نے اس کی کوئی پروا نہ کی۔ قیام پاکستان کے بعد آپ کو اپنی ہمت سے زیادہ محنت کرنی پڑی اور جب بھی ان سے کہا گیا۔ کہ آپ کے پھیپھڑے متاثر ہو رہے ہیں تو آپ جواب دیتے کہ میں ویسے تو تندرست ہوں۔ البتہ کثرت کار سے تھک جاتا ہوں۔

بیماری روز بروز اپنا اثر کر رہی تھی۔ لیکن آپ سارا سارا دن میز پر بیٹھے کام کرتے رہتے تھے۔ انہی بیماری کے ایام میں آپ نے مشرقی پاکستان کا دورہ کیا۔

اور تقریریں کیں۔ صوبہ سرحد پہنچے اور جب وہاں سے لوٹے تو طبیعت زیادہ خراب رہنے لگی۔ آپ اکثر لیٹے رہتے۔ لیکن روزمرہ کے کام میں کوئی فرق نہ آیا۔ کوئی چٹھی ایسی نہ ہوتی تھی جس کا احتیاط سے مطالعہ نہ کرتے تھے۔ اگر کہیں آرام کی غرض سے باہر جاتے تو وہاں بھی آرام نہ ملتا۔

آخر ڈاکٹروں کے مشورے سے آپ نے کوئٹہ جانے کی تجویز منظور کرلی۔ لیکن انہی ایام میں سٹیٹ بنک آف پاکستان کے افتتاح کا وقت آ گیا۔ اگرچہ آپ کو مشورہ دیا گیا کہ آپ خود تشریف نہ لے جائیں اور اپنی تقریر وزیراعظم کو بھیج دیں مگر آپ نے پسند نہ کیا۔ خود کراچی پہنچے اور چھ گھوڑے کی گاڑی میں بیٹھ کر آپ بنک کے افتتاح کے لیے تشریف لے گئے۔ یہ آخری دن تھا جب اہل کراچی نے اپنے محبوب قائد کو دیکھا۔

کراچی میں آپ کی صحت پھر خراب ہونے لگی تو آپ پھر بلوچستان چلے گئے۔ صحت روز بروز گر رہی تھی۔ لیکن جب مس فاطمہ جناح نے کہا کہ کسی باہر کے ڈاکٹر کی خدمات حاصل کی جائیں تو آپ نے انکار کر دیا۔ زیارت میں پہنچ کر قائداعظم کی طبیعت پھر کچھ سنبھلنے لگی۔ لیکن یہاں رہ کر بھی اسی نئی مملکت کے بقاو استحکام کے لیے ایک منٹ آرام سے نہیں بیٹھے۔ ایک دن باتوں باتوں میں فرمایا:

> ”جب میں یہ خیال کرتا ہوں کہ میری قوم آج آزاد ہے تو میرا سر عجز و نیاز سے بارگاہ رب العزت میں جھک جاتا ہے۔ یہ تائید ربانی اور رسول اکرم کا فیض تھا کہ وہ قوم جس کو انگریز کی حکومت اور ہندو کا سرمایہ تباہ و برباد کرنے پر تلا ہوا تھا آج آزاد ہے۔ اس کا اپنا ملک اور اپنا جھنڈا ہے۔ اپنا قانون اور اپنا سکہ ہے۔ اس سے بڑھ کر کسی قوم پر خدا کا اور کیا انعام ہوسکتا ہے“۔

زیارت میں اگرچہ آپ کی صحت بہتر ہو رہی تھی۔ لیکن ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ

زیارت کی سردی مضر ثابت ہو گی، قائداعظم خود بھی زیارت کی بجائے کوئٹہ کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ چنانچہ کوئٹہ جانے کا فیصلہ ہو گیا اور آپ کرنل الٰہی بخش اور ڈاکٹر ریاض علی شاہ کی معیت میں کوئٹہ آ گئے۔ ڈاکٹروں کو قدرے اطمینان ہوا تو ایک دن انہوں نے قائداعظم نے کہا کہ ملک کے استحکام کے لیے ضروری ہے کہ ابھی آپ دس سال تک اور زندہ رہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ ''میں اپنا کام کر چکا ہوں۔ اب مجھے مرنے کا افسوس نہ ہو گا مگر میں زیارت میں نہیں مرنا چاہتا''۔

ایک دن فرمایا:

> ''خدا نے پاکستان کو ہر چیز دے رکھی ہے۔ اس کے لیے ترقی کی امکانات بڑے روشن ہیں۔ پاکستان میں ہر چیز موجود ہے۔ جو صنعتی ترقی کے لیے ضروری ہے، ضرورت صرف محنت، خلوص اور دیانتداری کی ہے۔ میری قوم میں یہ اوصاف پیدا ہو جائیں تو یہ دنیا کی بہت بڑی قوم بن سکتی ہے۔ ہمیں مصائب اور مشکلات سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ خدا ہمیشہ ان قوموں کو آزمائش میں ڈالتا ہے۔ جنہیں وہ زمین کی خلافت سونپنا چاہتا ہے۔''

کوئٹہ میں علاج جاری رہا اور آپ کی صحت بہتر ہوتی گئی۔ ایک دن کرنل الٰہی بخش نے کہا کہ ہماری خواہش ہے کہ آپ کی صحت اتنی اچھی ہو جائے جتنی آج سے آٹھ سال پہلے تھی۔ قائداعظم نے مسکراتے ہوئے فرمایا:

> ''کچھ عرصہ قبل میری بھی یہی خواہش تھی کہ میں زندہ رہوں، موت کے خوف سے نہیں بلکہ اس لیے کہ قوم نے میرے کندھوں پر جو بوجھ رکھا ہے اس کو منزل مقصود تک لے جاؤں وہ کام اب پورا ہو چکا ہے۔ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ پاکستان بن گیا ہے۔ اس مدت میں میں نے جو کام کیا ہے اس سے بہت تھک گیا ہوں۔ اب میرے لیے

زندگی میں کوئی دلچسپی نہیں ہے''۔

اس کے جواب میں جب کرنل الٰہی بخش اور ڈاکٹر ریاض علی شاہ نے کہا کہ آپ کے بعد ہمیں کوئی اس کشتی کا کھیون ہار نظر نہیں آتا۔ جو اس وقت طوفان حوادث کے تھپیڑوں میں ہچکولے کھا رہی ہے۔ تو قائداعظم نے فرمایا۔'' حالات کے مطابق قدرت کوئی نہ کوئی آدمی ضرور پیدا کر دیتی ہے گھبراؤ نہیں۔ خدا کی ذات پر کامل بھروسہ رکھو اور اپنے ذاتی مفادات کو قومی اور ملکی مفادات پر ترجیح نہ دو۔ خدا تمہیں مجھ سے بھی زیادہ کوئی لائق رہنما عطا کرے گا''۔

یہ الفاظ کہتے کہتے قائداعظم کی آواز بھرا گئی، آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے اور آپ نے اپنا منہ کمبل سے ڈھانپ لیا پھر آہستہ آہستہ فرمایا:

> ''اے خدا! تو نے ہی مسلمانوں کو یہ نعمت عطا کی ہے تو ہی اس کی حفاظت کرنے والا ہے۔ میری قوم کمزور ہے اور ابھی ابتدائی مراحل میں ہے۔ ابھی تو اس کی صفوں کی کجی بھی دور نہیں ہوئی تو اس کا حامی و ناصر ہو''۔

کوئٹہ میں آپ کی صحت بہتر ہو رہی تھی اور خیال تھی کہ آپ جلد صحت یاب ہو جائیں گے۔ مگر یہ شائد آخر سنبھالا تھا۔ طبیعت پھر بگڑنے لگی۔ لیکن اس وقت بھی آپ سرکاری کام میں باقاعدگی سے دلچسپی لیتے رہے۔ اگرچہ کوشش کی جاتی تھی کہ کسی سرکاری کام کی آپ کو اطلاع نہ ہو مگر جب بھی آپ کو معلوم ہو جاتا۔ آپ فوراً کاغذات طلب کرتے، لیٹے لیٹے ان کو ملاحظہ کرتے اور دستخط کرتے۔

آخری کام:

سب سے آخر میں آپ نے جن کاغذات پر دستخط کیے۔ وہ یو۔ این۔ او میں مملکت پاکستان کی نمائندگی کے لیے سر ظفر اللہ خاں کے تقرر کے متعلق تھے۔ اس وقت آپ بہت کمزور ہو چکے تھے۔ بینائی بھی کم ہوگئی تھی۔ آخر بڑی مشکل سے سہارا

دے کر بٹھایا گیا اور آپ نے دستخط کیے۔ لیکن ان دستخطوں میں پہلی سی پختگی نہ تھی۔

قائداعظم کی قوت برداشت کا یہ عالم تھا کہ آپ نے کبھی کسی تکلیف کا اظہار نہ کیا۔ ایک دن جب آپ کو ٹیکہ لگایا گیا تو آپ نے درد محسوس کیا اور فرمایا کہ ''اب میں محسوس کرتا ہوں کہ صحت بہت خراب ہوگئی ہے، میں اب کمزوری محسوس کر رہا ہوں''۔

وفات:

صحت روز بروز گر رہی تھی۔ اور نقاہت بڑھ رہی تھی۔ آخر آپ نے فرمایا کہ مجھے کراچی لے چلو۔ چنانچہ آپ ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو بذریعہ ہوائی جہاز کراچی پہنچے۔ یہ سفر خیر و عافیت سے کٹا اور قائداعظم نے کوئی تکلیف محسوس نہ کی اب قدرے افاقہ بھی تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قائداعظم کو گورنر جنرل ہاؤس میں پہنچا کر ڈاکٹر بھی آرام کرنے کے لیے اپنے ہوٹل میں چلے گئے۔

نو بجے شب کے قریب محترمہ فاطمہ جناح نے ڈاکٹروں کو فون پر اطلاع دی کہ کمزوری بہت بڑھ گئی ہے اور بے قراری میں اضافہ ہوگیا ہے۔ آپ فوراً چلے آئیں۔

ڈاکٹر صاحبان فوراً گورنمنٹ ہاؤس میں پہنچ گئے۔ قائداعظم کے یہ آخری لمحات تھے۔ آپ پر بے ہوشی طاری تھی۔ آنکھیں پتھرا رہی تھیں۔ کمزوری اور نقاہت بہت بڑھ گئی تھی۔ نبض کی رفتار بھی غیر مسلسل ہو رہی تھی۔ کئی ٹیکے لگائے۔ مگر کوئی افاقہ نہ ہوا۔ چند منٹ بعد دل ڈوبنے لگا۔ اور سانس رک رک کر آنے لگی۔ بے ہوشی کے عالم میں آپ کے منہ سے نکلا۔

اللہ پاکستان

اور بیسویں صدی کا یہ مرد عظیم اور پاکستان کا بانی دس بج کر پچیس منٹ پر ہمیشہ کے لیے اپنی قوم کو روتا چھوڑ کر واصل باللہ ہوگیا۔

اناللہ وانا الیہ راجعون۔

قائداعظم کی وفات حسرتِ آیات کی خبر آناً فاناً سارے ملک میں پھیل گئی۔ کوئی آنکھ نہ تھی جو اشکبار نہ ہو۔تمام ملک ماتم کناں نظر آ رہا تھا۔اور پاکستان کے لوگ محسوس کرر ہے تھے کہ ان کے سر سے شفیق باپ، صحیح الخیال رہنما اور نڈر لیڈر کا سایہ اٹھ گیا ہے۔

اگلے دن قائداعظم کا جنازہ فوجی اعزاز سے اٹھایا گیا۔نماز جنازہ میں تقریباً چار لاکھ انسانوں نے شرکت کی اور اس کے بعد آپ کو کراچی کی اسی مٹی میں دفن کر دیا گیا جس میں آپ بچپن میں کھیلے تھے۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

☆

قائداعظم کی امتیازی خصوصیات

ہر بڑے آدمی میں کچھ ایسی خوبیاں ہوتی ہیں جو اسے عوام سے ممتاز کرتی ہیں۔ قائداعظم میں ایسی کئی خوبیاں تھیں۔لہذا قائداعظم کی سیرت و کردار کو سمجھنے کے لیے ان سے واقف ہونا نہایت ضروری ہے۔

قائداعظم کی خوش پوشی ایک ضرب المثل بن چکی ہے۔سوٹ،شیروانی جو پہنتے وہ آپ کو زیب دیتا۔لباس کے معاملے میں ان کا ذوق اور بلند نظری نے ہر ایک سے خراج تحسین حاصل کیا۔آپ بہترین قسم کا کپڑا انتخاب کرتے۔سلائی کا خاص اہتمام ہوتا۔رنگوں کے انتخاب میں موسمی کیفیت کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔آپ ہر روز لباس تبدیل کرتے تھے۔لباس کے آپ جوتے، جرابوں، ٹائی اور ٹوپیوں کے انتخاب میں خاصی دقت نظری سے کام لیا کرتے تھے۔عام طور پر ننگے سر رہا کرتے تھے۔مگر جب ایک مرتبہ آپ نے قراقلی کی ٹوپی پہنی تو بہت ہی بھلی معلوم ہوئی اسی وقت اس قسم کی ٹوپی کا نام ''جناح کیپ'' مشہور ہو گیا۔

مونوکل (یک چشمی عینک) ریشمیں دھاگے کے ساتھ ہر وقت گلے میں لٹکتا رہتا تھا۔جس کے متعلق عام طور پر یہی خیال کیا جاتا تھا کہ مونوکل آپ نے شوقیہ ہی لے رکھا تھا اور وہ اس میں بھی اپنی انفرادیت قائم رکھتے تھے۔

خوراک نہایت سادہ اور لذیذ ہوا کرتی تھی۔اگرچہ آپ کی خوراک بہت کم تھی۔تاہم آپ کی میز پر دیسی اور انگریزی کھانے ہمیشہ موجود ہوتے تھے۔ سگریٹوں میں کریون اے شوق سے پیا کرتے تھے اور باوجود ڈاکٹروں کے منع کرنے پر اس کو نہ چھوڑا۔ابتدائی زندگی میں تھیٹر کے شوقین رہے۔آپ کے انداز نشست و برخاست اور گفتار و رفتار کو دیکھ کر ایک امریکن ڈرامہ نویس کو قائداعظم کے متعلق کہنا پڑا کہ

صد افسوس دنیائے اسٹیج نے ایک عظیم آرٹسٹ کھو دیا۔

عام لوگوں کا یہ خیال ہے کہ قائداعظم لیگ میں ایک ڈکٹیٹر کی حیثیت رکھتے تھے مگر یہ درست نہیں۔ قائداعظم بڑے جمہوریت پسند تھے جس طرح وہ اپنی رائے کا اظہار نہایت جرأت و بے باکی سے کرتے تھے، اسی طرح وہ اوروں سے بھی توقع رکھتے تھے اور جب کوئی فیصلہ ہو جاتا تو اس کے آگے سر تسلیم خم کر دیتے۔

آپ وقت کی پابندی کا بڑا خیال رکھتے تھے اور کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی بغیر وقت مقرر کئے آپ سے ملنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ روزمرہ کے معمول میں ہرگز فرق نہ آنے دیتے تھے۔ اپنے گھریلو ملازموں سے بھی وہ یہی توقع رکھتے تھے کہ ہر کام وقت پر خود بخود ہو جائے۔ ایک دفعہ ان کا حجام اپنے مقرر وقت سے دو منٹ دیر سے آیا۔ آپ نے حجامت کرانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ جس قوم میں وقت کی پابندی کا احساس نہ ہو وہ دنیا میں سرفراز نہیں ہو سکتی۔

قائداعظم کو اپنی بہن مس فاطمہ جناح سے بے انتہا محبت تھی۔ اور اس نیک خاتون نے اپنی ساری زندگی قائداعظم کی خدمت میں بسر کر دی۔ شادی سے پہلے وہ ان کے پاس بمبئی میں ہی تھیں اور ۱۹۲۹ء میں قائداعظم کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا تو گھر کا تمام انتظام مس فاطمہ جناح کے سپرد کر دیا گیا۔ قائداعظم ان کے گھریلو معاملات میں ہرگز مداخلت نہ کیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی بہن بھائیوں میں اگر کوئی چشمک ہو جاتی اور بہن اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی جاتی تو وہ انسان جو کسی کے سامنے جھکنا نہ جانتا تھا، خود جا کر بہن کو منا لاتا۔

قائداعظم نے ہر موقعہ اور مقام پر اپنی ''خودی'' اور ''انا'' کو قائم رکھا ۱۹۲۶ء میں لندن سے واپسی پر عرب اعلیٰ کمان کی دعوت پر جب آپ قاہرہ میں ٹھہرے تو شاہ فاروق خود ان سے ملاقات کرنے کے آرزومند تھے۔ مگر دربار کے قواعد ملاقات ایسے تھے جسے قائداعظم کو انجام دینا مشکل تھا۔ آخر آپ محل میں جا کر ملاقاتیوں کے رجسٹر پر دستخط کر آئے۔ لیکن اس کے باوجود بعض ذمہ دار لوگوں کی خواہش تھی کہ

قائداعظم اور فاروق میں ملاقات ہو۔ اس سلسلے میں کئی تجویزیں سوچی گئیں۔ لیکن ہر حال میں کوئی نہ کوئی ایسی صورت قائم رہتی کہ شاہ فاروق کی شہنشاہیت کے سامنے قائداعظم کو جھکنا ہی پڑے اور یہی طریق قائداعظم کو پسند نہ تھا۔ آخر شاہ فاروق کو خود ہی تمام اصول اور آداب شاہی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے قائداعظم کو دعوت نامہ بھجوانا پڑا۔

اتحاد، تنظیم اور یقین محکم

آپ کی زندگی کے اہم اصول تھے۔ باوجودیکہ کسی کو آپ کے سامنے سرتابی کی جرأت نہ ہوتی تھی تاہم آپ بڑے جمہوریت پسند تھے اور کبھی انہوں نے یہ کوشش نہ کی کہ اپنا کوئی فیصلہ عوام پر ٹھونسیں۔ آپ اپنے مخالفین کو دلائل دینے کا موقعہ دیتے۔ لیکن اکثر ایسا ہوتا کہ جو مخالف بھی آپ سے ملتا اور آپ سے رخصت ہوتا تو وہ آپ کے خیال کا حامی ہو جاتا۔ گاندھی جی سے قائداعظم کی ملاقاتیں ہوئیں۔ وہ محض اس خیال سے تھیں کہ گاندھی جی قائداعظم کو اپنا ہم خیال بنا سکیں گے مگر جب گفتگو ہوئی تو گاندھی جی پاکستان کے اصول پر تسلیم کرنے مجبور ہو گئے۔ آپ عام طور پر انگریزی میں تقریر کیا کرتے تھے اور مسلمان قوم میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو انگریزی زبان سے ناآشنا ہے۔ مگر خدا معلوم قائداعظم کی زبان میں کیا تاثیر تھی کہ انگریزی زبان کو نہ سمجھتے ہوئے عوام آپ کی تقریر کو بڑے ذوق وشوق سے سنا کرتے تھے۔

کسر نفسی کا یہ عالم تھا کہ جب آپ ایک دفعہ ایک جلسہ عام میں تقریر کرنے لگے تو عوام نے مولانا محمد علی جناح زندہ باد کا نعرہ لگایا۔ آپ نے فوراً ان کو روک دیا اور فرمایا کہ میں کوئی مذہبی رہنما نہیں ہوں۔ میں تو ایک سیاسی لیڈر ہوں۔ تم مجھے مسٹر جناح یا محمد علی کہہ سکتے ہو۔ مجھے ہرگز مولانا نہ کہو۔

پاکستان سے آپ کو عشق تھا اور یہ جذبہ عشق ہی تھا جس کی وجہ سے آپ انگریز

اور ہندو کی شدید مخالفت کے باوجود کامیاب ہوئے۔ ایک موقعہ پر جب ایک انگریز اخبار نویس نے آپ سے کہا کہ پاکستان اقتصادی طور پر بہت کمزور رہے گا تو آپ نے فرمایا ''لیکن اس کے باوجود ہندو اور انگریز پاکستان بنانا نہیں چاہتے۔ مجھے اقتصادی طور پر کمزور پاکستان منظور ہے''۔ لارڈ ویول کو آپ کے متعلق کہنا پڑا کہ آپ کے ساتھ کوئی بات کرنا آسان نہیں۔

آخری وقت میں آپ کے مزاج میں کچھ چڑچڑاپن پیدا ہو گیا تھا تاہم آپ کی ہمیشہ یہی کوشش رہتی تھی کہ آپ کے کسی ملازم کو بھی آپ سے شکایت پیدا نہ ہو اور کبھی کوئی سخت بات کہہ بھی دیتے تو تھوڑی دیر کے بعد پھر اسی کو بلاتے، بڑی شفقت اور مہربانی سے پیش آتے اور بڑے ہی نرم لہجہ میں فرماتے کہ میں بوڑھا اور کمزور ہوں اس لیے اگر کوئی سخت لفظ میری زبان سے نکل گیا ہو تو سے فراموش کر دیجئے۔

سرکاری کام کرتے وقت وہ صحیح معنوں میں گورنر جنرل ہوتے تھے اور کسی بڑے سے بڑے شخص کو آپ کے سامنے آنکھیں اونچی کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ اکثر اوقات کسی غلطی پر اپنے عملے کو اس طری طرح ڈانٹا کرتے تھے کہ اندیشہ ہوتا تھا کہ خدا معلوم کیا کر بیٹھیں۔ لیکن جب کام سے فارغ ہو جاتے تو اپنے عملے سے شفیق باپ سے بڑھ کر شفقت فرماتے اور بے تکلفی سے ان کے ساتھ باتیں کرتے۔

بے غرضی اور بے نفسی کی اس سے بڑھ کر کیا شہادت ہو گی کہ جب برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر ریمزے میکڈانلڈ نے آپ سے کہا۔ ''مسٹر جناح! آپ اس سے واقف ہیں کہ ہم ہندوستان کو حکومت خود اختیاری دینے والے ہیں۔ ہمیں ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جنہیں صوبجات کا گورنر بنا دیا جائے''۔ اس کے جواب میں قائد اعظم نے فرمایا۔ ''مسٹر میکڈانلڈ تم مجھے رشوت دینے کی کوشش کرتے ہو۔ لیکن میں اس دام میں نہیں آؤں گا''۔

قائد اعظم کسی کی سفارش کرنا پسند نہ کرتے تھے اور نہ انہوں نے اپنے لیے کوئی

اعزاز حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ایک مرتبہ جب ان کے ایک دوست نے کسی نوجوان کی سفارش کے لیے کہا تو آپ نے فرمایا "تم خیال کرتے ہو کہ آج میں جس آزادی کے ساتھ حکومت کے سامنے بات چیت کر سکتا ہوں، سفارشیں کرنے کے بعد بھی اتنی ہی جرأت سے ان کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کر سکوں گا؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ میں ان کے احسان تلے دبا ہوں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ میری قوم کے نوجوان اپنی ذاتی قابلیت کے اعتبار سے ملازمتیں حاصل کریں"۔

اصول پرستی کا یہ عالم تھا کہ جس روش پر گامزن رہے۔ اس سے ایک قدم ادھر اُدھر نہ ہوئے۔ ہندوستان کے سیاسی لیڈروں نے کئی چولے بدلے مگر قائداعظم کے طریقے میں کوئی فرق نہ آیا۔ جب لیگ کی آواز سارے ہندوستان میں پہنچ چکی تھی تو چند مسلم لیڈروں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ بھی گاندھی جی کی طرح تھرڈ کلاس میں سفر کیا کریں۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ میں فرسٹ کلاس میں سفر کرتا ہوں اور اپنے روپے سے کرتا ہوں۔ میں قوم سے کچھ نہیں لیتا۔ بلکہ قوم کو حسب مقدور دیتا ہوں۔ ایک مرتبہ جب آپ کی گاڑی علی گڑھ اسٹیشن سے گزر رہی تھی تو ایک بہت بڑا ہجوم آپ کی زیارت کے لیے اسٹیشن پر جمع ہو گیا۔ مگر آپ نے ہجوم کے پیہم اصرار پر بھی گاڑی سے باہر آنا پسند نہ کیا۔ لوگ آپ کے سیکرٹری مسٹر خورشید کو تنگ کر رہے تھے کہ قائداعظم کھڑکی میں سے ہی اپنا منہ دکھا دیں۔ لیکن قائداعظم ہر بار انکار کر دیتے تھے۔ اس پر ہجوم میں کچھ مخالفانہ نعرے بلند ہوئے جنہیں سن کر قائداعظم باہر آ گئے۔ اور عام لیڈروں کی طرح یہ نہیں کہ گاڑی کے دروازے میں کھڑے ہو گئے بلکہ عوام میں گھس گئے اور پوچھا "تم میں جو لوگ مسلم لیگ کے ممبر ہیں وہ اپنے ہاتھ کھڑے کریں"۔ اس پر چند ایک ہاتھ ہی اٹھے۔ آپ نے فرمایا کہ مسلم لیگ میں آپ کی شرکت کا تو یہ عالم ہے اور پھر مجھ پر زور دیا جاتا ہے کہ میں تمہارے سامنے آؤں۔ اگر تم مجھے دیکھنا چاہتے ہو تو مسلم لیگ کے ممبر

بنو۔‘‘

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

قائداعظم اور مزاح

اگرچہ قائداعظم کی تمام زندگی انتہائی مصروفیت اور مشغولیت میں بسر ہوئی لیکن اس کے باوجود قائداعظم مزاح کا ایک بلند ذوق رکھتے تھے۔کبھی کبھی وہ باتوں باتوں میں انتہائی لطیف مزاح پیدا کر کے سامعین کو حیران کر دیا کرتے تھے۔

آپ ایک انگریز جج کی عدالت میں بطور وکیل پیش ہوئے۔آپ نے جس انداز اور جرأت سے اپنی بحث کو شروع کیا۔وہ جج صاحب کو کچھ ناگوار سی محسوس ہوئی۔اس نے قائداعظم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔’’مسٹر جناح! آپ یہ ہرگز نہ بھولیں کہ آپ کسی تھرڈ کلاس مجسٹریٹ کو خطاب نہیں کر رہے۔‘‘اس پر قائداعظم نے برجستہ جواب دیا’’جناب آپ بھی اس کو نہ بھولیں کہ آپ کسی تھرڈ کلاس وکیل سے بات نہیں کر رہے‘‘۔

بمبئی میں’’پل مین‘‘کے نام سے ایک بس سروس چلتی تھی۔جس میں تھرڈ کلاس نہ ہوتی تھی۔ایک مرتبہ ایک شخص ایک مقدمے کے سلسلے میں آپ کی خدمت میں آیا۔قائداعظم نے مقدمہ دیکھ کر فیس بتائی۔اس قدر گراں فیس دینا موکل کے بس کے بات نہ تھی۔لہذا اس نے کہا کہ میرے پاس تو اتنی رقم نہیں ہے۔اس پر آپ نے فرمایا’’تو پھر آپ تھرڈ کلاس ٹکٹ کے ساتھ’’پل مین‘‘میں سفر نہیں کر سکتے‘‘۔

ایک دفعہ کسی اخبار نویس نے آپ سے کہا کہ تمام سیاسی لیڈر حصول آزادی کے سلسلے میں جیل جا چکے ہیں آپ کیوں نہیں گئے؟ قائداعظم نے فرمایا’’ایک دفعہ مجھے بھی لندن میں پولیس سے سابقہ پڑا تھا اس وقت میں کیمبرج میں پڑھا کرتا تھا۔واقعہ یوں ہوا کہ ایک رات ہم کشتی رانی کے لیے گئے ہوئے تھے۔راستے میں ایک چھکڑا مل گیا۔ہم سب دوست باری باری ایک دوسرے کو چھکڑے پر کھینچ رہے تھے

کہ اتنے میں پولیس آ گئی اور سب کو پولیس اسٹیشن لے گئی۔لیکن انہوں نے مجھے کچھ نہ کہا اور بغیر کسی شرط کے گھر جانے کی اجازت دے دی''۔

ایک مرتبہ لندن میں بی بی سی والوں نے آپ سے تقریر کی درخواست کی اور مائیک آپ کے سامنے لے آئے۔اس وقت خلاف معمول سورج نمودار ہو رہا تھا۔ قائداعظم مائیک کے پاس گئے اور مسکراتے ہوئے فرمایا''لندن والو میں تمہارے لیے دھوپ لایا ہوں''۔

ایک دفعہ مجلس قانون ساز میں ایک ممبر نے قائداعظم کی تقریر پر طنزاً کہا۔''یہ تو گریٹا گاربو جیسی اداکاری کرتے ہیں''۔آپ نے فوراً جواب میں کہا۔اور مارلین ڈرچ جیسا عزیز پارٹ ہی ادا کر سکتے ہیں''۔

ایک دفعہ مجلس قانون ساز میں مسٹر جارج بیل نے تقریر کرتے ہوئے امریکہ کے صدر ابراہیم لنکن کا حوالہ دیا۔قائداعظم نے فوراً کہا''دیکھئے ابلیس بائبل کا حوالہ دے رہا ہے۔حالانکہ اس نے کبھی بائبل پڑھی تک نہیں!''

ایک موقعہ پر بیگم غلام حسین ہدایت اللہ نے آپ کے بازو پر امام ضامن باندھا۔ڈان کے ایڈیٹر مسٹر الطاف حسین پاس ہی کھڑے تھے۔قائداعظم نے ان کو اپنا بازو دکھاتے ہوئے کہا۔''اب میں ڈان سے بھی محفوظ ہوں''۔

لاہور کے مشہور اور پرانے مسلم لیگی ملک برکت علی مرحوم کے صاحبزادے کی شادی تھی۔قائداعظم کے علاوہ سر فضل حسین مرحوم بھی شریک دعوت تھے۔ان میں پہلے بھی نوک جھونک رہتی تھی۔اتفاق سے سر فضل حسین کے سامنے فیرنی کی جو پلیٹ آئی وہ شیریں ہونے کی بجائے نمکین تھی۔جب سر فضل حسین نے اس کو چکھا تو ملک برکت علی سے کہنے لگے''معلوم ہوتا ہے کہ لاہور سے میری پانچ سال کی غیر حاضری میں یہاں کے کھانوں کا مذاق بھی بدل گیا ہے''۔ملک صاحب نے کہا'' آپ ہی بدل گئے ہیں۔ہمارا مذاق تو نہیں بدلا''۔فضل حسین نے پوچھا۔تو پھر یہ

نمکین فیرنی کیوں؟ اس پر ایک قہقہہ بلند ہوا اور قائداعظم نے فوراً کہا اس لیے کہ آپ زیادہ سے زیادہ نمک حلالی کرتے رہیں۔"

ایک دفعہ قائداعظم میسور سے اڈمالکمنڈ جا رہے تھے۔ راستے میں ایک جنکشن پر چائے پینے کا فیصلہ کیا۔ جب گاڑی سے باہر آئے تو لوگوں کا ایک ہجوم ان کو دیکھنے کے لیے جمع ہو گیا۔ آپ کے سیکرٹری نے آپ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی تو مسکراتے ہوئے کہا "یہ چائے کی پیالی کا ابال ہے ابھی ختم ہو جائے گا"۔

کشمیر کے دوران قیام میں ایک دن قائداعظم اپنے ہاؤس بوٹ میں کھانا کھا رہے تھے کہ باتوں باتوں میں نہ ذکر چھڑ گیا۔ کہ مہاراجہ کشمیر نہایت اچھے کھانے پکا سکتا ہے۔ قائداعظم نے ہنستے ہوئے کہا۔ "انڈا تو میں بھی پکا سکتا ہوں۔ لیکن اگر مہاراجہ پسند کرے تو میں اس کو اپنے ساتھ بمبئی لے جانے کو تیار ہوں۔ آج کل مجھے ایک اچھے باورچی کی ضرورت ہے"۔

ایک مرتبہ گاندھی جی نے قائداعظم سے دریافت کیا کہ آپ نام سے خطاب کیا جائے۔ قائداعظم نے جواب دیا۔ "آپ نے میرے نام کے بارے میں جس فکر کا اظہار کیا ہے۔ اس کے لیے میں آپ کا ممنون ہوں۔ گلاب کو خواہ کسی نام سے پکارا جائے اس کی خوشبو میں فرق نہیں آئے گا"۔

مسٹر محمود حسن جو کسی زمانے میں مدراس کے ہفتہ وار اخبار "دکن ٹائمز" کے ایڈیٹر تھے اور بعد میں انگریزی اخبار "ڈان" کے ایڈیٹر مقرر ہو گئے تھے، ایک دن قائداعظم کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ قائداعظم نے حسب معمول بہت کم کھایا۔ اس کے بعد چھری اٹھا کر اسے اپنے ناخنوں سے بجانے لگے۔ مسٹر محمود جو اب تک کھانا کھانے میں مشغول تھے، کچھ خفت سی محسوس کرنے لگے اور قائداعظم سے کہا۔ "آپ نے تو کچھ کھایا ہی نہیں"۔

قائداعظم نے فرمایا۔

''دنیا والے اسی درجہ سے تکلیفوں میں مبتلا ہیں کہ وہ کھاتے بہت ہیں''۔

انگلستان کیا یک انگریز نامہ نگار خاتون نے ایک دفعہ قائداعظم سے پوچھا۔'' آپ ہندوستان کے دو مذہبی رہنماؤں یعنی سیواجی اور اورنگ زیب میں سے کس کی اولاد میں سے ہیں''۔

آپ نے فرمایا۔

''دونوں کی''۔

وزارتی مشن سکیم کے سلسلے میں جب قائداعظم انگلستان گئے تو ایک پریس کانفرنس میں آپ بتا رہے تھے کہ کس طرح کانگرس کی پالیسی نے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا اس پر ایک نمائندہ اخبار نے اعتراضاً کیا۔

''آپ بھی تو کانگرس میں رہ چکے ہیں''۔

اس پر قائداعظم نے فوراً جواب دیا۔

''ہاں...... جب میں بچہ تھا تو ابتدائی مدرسہ میں بھی پڑھا کرتا تھا۔''

لاہور میں ایک دفعہ قائداعظم ایک ایسے زنانہ کالج میں گئے جہاں کی لڑکیوں پردہ دار تھیں۔ لیکن انہوں نے قائداعظم سے پردہ نہ کیا۔ واپسی پر قائداعظم نے اپنے بعض دوستوں سے اس کا تذکرہ کیا۔

مس جناح موجود تھیں۔ انہوں نے کہا کہ آپ چونکہ بوڑھے ہیں۔ اس لیے لڑکیوں نے آپ سے پردہ نہیں کیا۔ قائداعظم نے فرمایا ''اس میں تو میری تضحیک کا پہلو نکلتا ہے۔ میں اسے ماننے کو تیار نہیں ہوں''۔ اس پر لیاقت علی خاں مرحوم نے کہا کہ چونکہ لڑکیاں آپ کو بادشاہ خیال کرتی ہیں، اس لیے انہوں نے پردہ نہیں کیا۔ قائداعظم

نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''ہاں! یہ کچھ درست معلوم ہوتا ہے''۔

☆

قائداعظم......دوسروں کی نظر میں

فاطمہ جناح:

قائداعظم اپنی گھریلو زندگی میں ایک بشاش انسان تھے۔انہیں بے شمار لطیفے یاد تھے۔ جب وہ ہنسانے پر آتے تو پہروں ہنساتے رہتے۔اگر چہ لوگ انہیں ایک مضبوط اور سخت دل آدمی سمجھتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ بہت ہی نرم دل تھے۔وہ کسی کو بھی دکھ میں دیکھتے تو پریشان ہو جاتے۔

سر آغا خاں:

مجھے اپنی زندگی میں بے شمار سیاست دانوں سے سابقہ پڑا گلیڈسٹون، لائیڈ جارج چرچل، کرزن، مسولینی، مہاتما گاندھی، لیکن جناح ان سب میں منفرد تھے۔میرے خیال میں ان میں سے کوئی شخص بھی جناح سے زیادہ مضبوط سیرت و کردار کا مالک نہیں تھا۔ہوش وتدبر اور عزیمت و استقامت جو سیاست کا سنگ بنیاد ہیں، جناح میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔اس سلسلے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ دوسروں کے مقابلے میں خوش قسمت تھے۔لیکن کیا جناح کی کامیابی محض خوش قسمتی کا نتیجہ تھی؟ آخر اچھے اور برے فیصلے کے عوام بھی کچھ حیثیت رکھتے ہیں۔

سر عبدالقادر مرحوم:

قائداعظم نے صرف اعلیٰ قانون دان، فصاحت و بلاغت کے ماہر اور بے نظیر قابلیت کے مالک تھے۔ بلکہ ان کے سینے میں ایک مومن کا دل تھا۔جس میں اسلام اور مسلمانوں کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ جب ہندوستان سے نقل مکانی کر کے انگلستان جا رہے تھے۔تو انہوں نے مجھے فرمایا کہ میں انگلستان میں رہ کر آزادی کی جدوجہد کروں گا۔لیکن میں ایسے آدمی کی تلاش میں ہوں۔جو میری غیر حاضری میں مسلم لیگ کے کام کو چلا سکے۔ یہ کہتے کہتے قائداعظم کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ان

کے چہرے پر کرب و اضطراب کی لکیریں پھیل گئیں۔ پاکستان اس درد دل کا کرشمہ ہے۔

نواب صدیق علی خاں:

قائداعظم کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ خدا کو اپنی حفاظت کا ضامن سمجھتے تھے اور کسی انسانی محافظ کی موجودگی اپنے عقیدے کی توہین خیال کرتے تھے۔

خواجہ شہاب الدین:

قائداعظم زیارت میں علیل تھے۔ میں کراچی کی علیحدگی کا مسودہ لے کر وہاں گیا تو معلوم ہوا کہ طبیعت زیادہ ناساز ہے۔ چنانچہ میں سونے کے کمرے طلب کر لیا گیا۔ اندر کر پہنچ کر دیکھتا ہوں کہ آپ تین تکیوں کے سہارے لیٹے ہوئے کوئی ضروری کاغذ پڑھ رہے ہیں۔ مجھے دیکھ کر مسکرائے اور مسودہ لے کر اس کا ایک ایک لفظ پڑھا اور دستخط کر دیئے۔ اس ملاقات نے میرے دل گہرا اثر کیا کہ صحت کہ یہ حال ہے مگر ہمارے قائد نہ تو امور مملکت کی طرف سے غافل ہیں اور نہ اپنے کام کرنے والوں کی خوشنودی سے بے خبر...... آنکھوں کے گرد حلقے ہیں۔ جسم نحیف و نزار ہے مگر ضروری کاغذات اب بھی زیر غور رہیں۔

الطاف حسین مدیر ڈان:

قائداعظم نے صحافیوں کے متعلق فرمایا:

''کسی موضوع پر غور اور اپنے دل میں فیصلہ کرو۔ اگر تم اس نتیجے پر پہنچ چکے ہو کہ ایک خاص نظریہ یا اعتراض پیش کرنا ضروری ہے تو وہی لکھ ڈالو۔ جو یقیناً تم نے محسوس کیا ہے کبھی پس و پیش نہ کرو کہ اس خیال سے کوئی ناراض ہو جائے گا۔ حتیٰ کہ اپنے قائداعظم کی ناراضی کی بھی پروا نہ کرو''۔

ممتاز حسن احسن:

بادشاہ نے جس روز لنچ پر مدعو کیا، اس روز محرم کی دسویں تاریخ تھی۔ یہ تاریخ پہلے سے مقرر ہو چکی تھی۔ جب ہمیں معلوم ہوا تو میں نے قائداعظم کی خدمت میں عرض کی آپ نے اسی وقت لارڈ ویول سے جوان کے قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے کہا کہ افسوس ہے کہ میں اس روز شاہی دعوت میں نہ ہوسکوں گا۔ لارڈ ویول کی کوشش سے تاریخ بدل گئی۔

نکلسن:

قائداعظم جس طرف چاہیں، جنگ کا رخ بدل سکتے ہیں۔ دس کروڑ مسلمان ان کے اشارۂ ابرو پر اپنی جانیں تک نثار کرنے کو تیار ہیں۔ یہ مقام ہندوستان کے کسی اور لیڈر کو حاصل نہیں۔ ہندوؤں کی پوری صف میں بھی یہ بات نہیں ہے۔ اگر گاندھی جی چل بسیں تو ان کی جگہ پر ہوسکتی ہے۔ اچاریہ ہیں، پٹیل ہیں، لیکن جناح کے بعد کوئی بھی شخص ان کے مقام پر کھڑا ہونے کا اہل نہیں ہے۔

جناح پاکستان کا طاقتور شہنشاہ ہے۔ جس کی شخصیت تمام ایشیا میں سب سے زیادہ اہمیت کی مالک ہے۔

مسز سروجنی نیڈو:

محمد علی جناح کا دبلا پتلا جسم بھی عجیب تھا۔ ضبط و نمو کی غیر معمولی روح کو اس نے کسی پرفریب انداز میں ڈھانپ رکھا تھا۔ کچھ رکھ رکھاؤ کے رسیا، قدرے نازک مزاج، طور طریقوں میں کسی قدر خلوت پسندی اور نخوت کا رنگ، کچھ لیے دیئے سے۔ کچھ تمکنت کا انداز، جاننے والوں کی نظروں سے پوشیدہ، مگر اس کے باوجود ایک بھولا بھالا پیارا آدمی۔ وجدان میں معصوم بچوں والی نرمی، ویسے عقلیت کا شیدائی۔ فکر و مزاج میں وہ شگفتگی اور دل موہ لینے والی باتیں کہ بس سنتے جایئے اور دیکھا کیجئے۔

زندگی کو جانچنے، پرکھنے اور تسلیم کر لینے کے معاملے میں بلا کے محتاط اور غیر جانبدار۔ دنیاوی معاملات میں سوجھ بوجھ اور سلامت روی کا مظہر مگر صحیح مقصد کے لیے نا قابل شکست چٹان!

مسٹر جمنا داس دوار کا داس:

مسٹر جناح ہندوستان کے ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے سرکار کے پیش کردہ اعلیٰ سے اعلیٰ عہدہ اور بیش بہا معاوضے حقارت سے ٹھکرا دیئے۔

سر ہومی مودی:

آپ نڈر ہیں اور رست باز۔ ہر دل عزیز بننے کی خواہش نے آپ کو کبھی بے چین نہیں کیا۔ سیاسی چال بازیوں سے آپ اس حد تک پاک ہیں کہ بے مثال قرار دیئے جا سکتے ہیں۔

ڈاکٹر سی۔ آر۔ داس:

مسٹر جناح صرف مسلمانوں کی ہی نجی دولت نہیں ہیں۔ بلکہ سارے ہندوستان کے لیے سرمایہ افتخار ہیں۔

ایف۔ ڈی جیمز (سابق لیڈر یوروپین گروپ):

سیاسی مجاہد کی حیثیت سے ہندوستان میں مسٹر جناح کا کوئی مد مقابل نہیں۔ وہ عوام کے بے خوف رہنما ہیں۔ انہیں کوئی ترغیب یا تحریص جادۂ حق سے نہیں ہٹا سکتی۔

پی رنکسن (غیر ملکی صحافی):

ایک قوم پرست انسان کی حیثیت سے مسٹر جناح کی شخصیت لائق پرستش ہے۔ جناح کو کسی قیمت پر بھی نہیں خریدا جا سکتا۔ اور اس بات کو ہندوستان کا ہر چھوٹا بڑا خوب جانتا ہے۔ یہاں تک ہندو بھی اس کے معترف ہیں۔

مسٹر مانٹیگو وزیر ہند:

مسٹر جناح اپنی تجویز کے بارے میں پوری طرح تیار تھے۔ وہ ہر بات کا جچا تلا جواب دیتے۔ میں کافی تھکا ہوا تھا۔ اس لیے میں نے ٹالنا چاہا۔ چیمسفورڈ (جو اس وقت وائسرائے ہند تھے) نے بحث کرنا چاہی۔ لیکن وہ بری طرح پھنس گئے۔ مسٹر جناح بہت زیرک انسان ہیں اور یہ کتنی شرمناک بات ہے کہ ایسے شخص کو اپنے ملک کی حکومت کے کاروبار میں کوئی موقعہ نہیں دیا جاتا۔

ایف ڈی کو دکا:

کانگرس کے پاس بڑے بڑے سیاست دان، بڑے بڑے ماہرین اقتصادیات بڑے بڑے فوجی افسر اور بڑے بڑے ماہرین تعلیم تھے اور دوسری طرف مسلم لیگ میں جناح خود ہی اپنی تعلیمی، فوجی اور اقتصادی مشیر تھے۔ انہوں نے ہر محاذ پر کانگرس کے تمام دماغوں کا تنہا مقابلہ کیا اور کبھی ناکام نہیں رہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر قائداعظم کی جگہ کوئی اور رہنما پاکستان کے مطالبے کو پیش کرتا۔ تو اس کے لیے کامیاب ہونا بے حد مشکل ہوتا بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ناممکن ہوتا تو مبالغہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ جس دانشمندی کا ثبوت انہوں نے دیا، وہ کسی اور کے بس کی بات نہیں تھی۔ ان کی ذہانت اور فراست کے دوست اور دشمن سبھی معترف ہیں۔

سید ابوالخیر کشفی:

قائداعظم رات رات بھر اپنے کمرے میں بیٹھے کام کرتے رہتے اور جب ان سے اس شب بیداری کا ذکر کیا جاتا تو مسکرا کر فرماتے:

''دوسری قومیں جاگ رہی ہیں اور اس کے لیڈر سو رہے ہیں
میری قوم سو رہی ہے اور میں جاگ رہا ہوں۔''

علامہ اقبالؒ:

ہندوستان میں بحیثیت مسلمان آپ کی تنہا ذات ہے جس سے ملت یہ توقع کرنے کا حق رکھتی ہے کہ شمال مغربی یا شاید پورے ہندوستان پر جو سیلاب آرہا ہے، اس میں آپ اس کی صحیح رہنمائی کریں گے۔

لیاقت علی خاں مرحوم:

قائداعظم ان برگزیدہ ہستیوں میں سے تھے جو واقعات کی رفتار اور زمانے کی روش بدل دیتے ہیں۔ انہوں نے اپنی اعلیٰ قابلیت، غیر معمولی ذہانت اور بے مثال دردقومی سے کام لے کر اور شبانہ روز محنت کر کے ہندوستان کے منتشر مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع کیا۔ اور دنیا بھر کے مسلم دشمن عناصر کی مخالفتوں کا مردانہ وار مقابلہ کر کے پاکستان جیسی عظیم الشان مملکت کی بنیاد رکھی جس میں آج آٹھ کروڑ مسلمان آزادی کی سانس لے رہے ہیں۔

مسٹر ٹرومین (سابق صدر امریکہ):

دولت پاکستان کا معمار...... دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کا باپ۔ مجھے یقین ہے کہ مسٹر جناح کی غیر معمولی قیادت کی یاد حکومت پاکستان اور باشندوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوگی۔

آقائے رزم آرا مرحوم (سابق وزیراعظم ایران):

قائداعظم اتحاد یقین محکم اور تنظیم کے اصول کے مجسمہ تھے۔ آپ نے ملت پر ان تین صفات کی اہمیت واضح کی۔ آپ ملت کے جذبہ عمل کے سرچشمہ تھے۔ ان کی تعلیمات واضح، محکم اور اصول پر مبنی تھیں۔ آپ نے اپنی پیروؤں کو سیاست اور حکومت کے فن کی ایسی تربیت دی۔ کہ ان کی وفات پر پاکستان کو ضعف نہیں پہنچا بلکہ پاکستان زندگی کے ہر شعبہ میں برابر ترقی کر رہا ہے اور آج پاکستان سیاسی،

اقتصادی، زرعی اور دفاعی اعتبار سے پہلے سے کہیں زیادہ مستحکم ہے اور اس کا یہ استحکام روزافزوں ہے۔

علی اصغر حکمت (سابق سفیر ایران):

قائداعظم کی شخصیت آئندہ نسلوں کے لیے ایک منارۂ نور کا کام دے گی۔ محمد علی جناح جیسے عظیم الشان انسان فلک کے ان نجوم کی مانند ہیں جن کی روشنی ہم تک بعید از قیاس فاصلے طے کر کے پہنچتی ہے اور اگرچہ وہ انسانی آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں لیکن ان کے نور سے ہمیشہ اکتساب فیض کیا جا سکتا ہے۔ ہمیں قائداعظم سے اپنی محبت کو اس عظیم مملکت کی محبت میں ڈھال لینا چاہیے۔ جس کی انہوں نے تخلیق کی۔ پاکستان قائداعظم کی مقدس یادگار ہے۔

سر سٹیفورڈ کرپس:

مسٹر جناح ان لوگوں میں سے تھے جو اپنے اصولوں میں کسی قسم کی نرمی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ جس سختی سے وہ اپنے نظریہ پر قائم تھے اس سے اس غیر معمولی احتیاط وفکر کا پتہ چلتا ہے جن سے وہ ہندوستانی مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں کام لے رہے تھے اور جن کی بنا پر وہ دل سے یہ چاہتے تھے کہ ملک کے دور دراز گوشوں میں پھیلی ہوئی اقلیت کے لیے پوری پوری طرح سیاسی تحفظ حاصل کیا جائے۔

آخر کار وہ ۱۹۴۷ء میں اپنا نصب العین حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اگرچہ قدم قدم پر وہ مشکلات سد راہ ہوئیں۔ جو تقسیم ہندوستان کے سلسلے میں پیش آ سکتی تھیں اور جن کے درمیان ایک ہزار میل کا تفاوت ہے۔ مگر یہ ان کا عزم راسخ تھا کہ انہوں نے حالات کی ہر دعوت مقابلہ کو منظور کیا اور اپنی قوم کو آزادی کی منزل تک پہنچا دیا۔ زیادہ سے زیادہ جرأت اور استقلال ان کے کردار اور شخصیت کا امتیاز تھا۔

مسز وجے لکشمی پنڈت:

اگر مسلم لیگ میں ایک سو گاندھی جی اور دو سو مولانا آزاد ہوتے اور ان کے مقابلے پر کانگرس میں صرف ایک جناح ہوتے تو ملک کبھی تقسیم نہ ہوتا۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی (سابق وزیر تعلیم پاکستان):

قائداعظم کو تعلیم سے بہت زیادہ دلچسپی تھی انہوں نے ہمیشہ اس امر پر زور دیا کہ تعلیم کے بغیر مسلمان ترقی نہیں کر سکتے۔

سلطان شہریار (انڈونیشا):

مسٹر جناح بے حد پرکشش آدمی ہیں۔ ایک مقناطیسی کشش...... ان کی آواز میں صداقت اور خلوص کی ایک ایسی قوت کارفرما نظر آتی ہے جو میں نے بہت کم زعما میں دیکھی ہے۔ بہت ہی کم ...... میں عصر حاضر کے بہت سے لوگوں سے مل چکا ہوں، لیکن مافی الضمیر کے اظہار میں جتنی کاملانہ قدرت قائداعظم میں دیکھی اور کسی میں نظر نہیں آتی۔ وہ جتنا کہنا چاہتے اتنا ہی کہتے۔ صحت وصفائی کے ساتھ کہتے اور اپنے مدعا کے مکمل اور موثر اظہار پر ساحرانہ قدرت رکھتے ہیں۔ میں نے چند منٹ کی گفتگو ہی سے اندازہ کر لیا کہ اختلافی مسائل پر ان سے بحث کرنا آسان نہیں۔

زیڈ۔ اے سلہری:

قائداعظم کی اردو اگرچہ ٹوٹی پھوٹی ہوتی تھی پھر بھی ہزاروں لاکھوں لوگ سننے کے لیے جمع ہو جایا کرتے تھے۔ سامعین کی توجہ مبذول کرانے میں بڑے بڑے فصیح وبلیغ خطیب کو بھی وہ بات میسر نہ آئی جو مسٹر جناح اپنی ناقص اردو میں پیدا کر لیتے تھے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ سامعین میں بیشتر لوگ انگریزی سے ناواقف ہوتے تھے۔ مگر پھر بھی انگریزی میں تقریر کرنے پر اصرار کیا جاتا تھا۔

☆

قائداعظم نے فرمایا

☆ ہم مسلمانوں کا خدا ایک ہے، کتاب ایک ہے، رسول ایک ہے ہمیں ایک متحد قوم کی حیثیت سے رہنا چاہیے۔ تم ایک قوم کے افراد ہو اور ایک وسیع **ملک** کے مالک۔ پاکستان نہ کسی پنجابی کا ہے نہ سندھی کا نہ پٹھان کا اور نہ بنگالی کا ہے۔ بلکہ تم سب کا ہے۔

☆ میں آپ سے پوچھتا ہوں کیا آپ وہ سبق بھول گئے جو آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے ہمیں پڑھایا گیا تھا۔ کیا میں آپ کو بتاؤں کہ آپ سب یہاں اجنبی ہیں۔ بنگال کے اصلی باشندے کون تھے؟ بہر حال وہ نہیں جو آج یہاں رہتے ہیں۔ پھر بنگالی، سندھی، پٹھان اور پنجابی کہلانے کا فائدہ...... ہم سب۔ صرف مسلمان ہیں اور پاکستانی۔

☆ ہمارا کلمہ ایک، رسول ایک، قرآن ایک پھر کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ہم ایک ہو کر اپنے **ملک** کے استحکام، مذہب کی اشاعت اور ملت کی خوشحالی اور سربلندی کے لیے کام نہ کریں۔ اگر آپ نے کامل اتحاد و تعاون اور صحیح اسلامی جوش و خروش سے کام کیا تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ خدائے عز و جل کے فضل و کرم سے پاکستان بہت جلد دنیا کے عظیم ترین ممالک میں شامل ہو جائے گا۔

☆ کسی سرکاری ملازم یا افسر کو اس بات کی اجازت نہ ہوگی کہ وہ نوکر شاہی کے خلاف انسانیت اصولوں پر چل کر اپنے عہدے کا ناجائز فائدہ اٹھائے۔ لوٹ کھسوٹ اور رشوت خوری کرے یا عوام کی شہری آزادی پر چھاپہ مارے۔ ایسے بد دیانت عناصر کو چن چن کر نکال دیا جائے گا۔ پاکستان میں چپراسی سے لے کر وزیراعظم حتیٰ کہ گورنر جنرل

تک کوملت، **ملک** اور عوام کے مفاد کو ترجیح دینی ہو گی۔

☆ قیام پاکستان جس کے حصول کے لیے ہم گذشتہ دس سال سے جدوجہد کر رہے تھے۔ خدا کے فضل و کرم سے آج حقیقت بن کر ہمارے پاس ہے۔ اپنے لیے ایک مملکت حاصل کرنا ہمارا نصب العین نہیں تھا۔ بلکہ یہ نصب العین کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔ مقصد یہ تھا کہ ہم ایک ایسی مملکت کے مالک ہوں جہاں ہم اپنی روایات اور تمدنی خصوصیات کے مطابق ترقی کر سکیں۔

☆ جب تک آپ اپنی سیاسی زندگی کو صوبائی تعصب کے زہر سے پاک نہ کر لیں، آپ اپنے آپ کو حقیقی مفہوم میں ایک بڑی قوم کی طرح مرتب، منظم اور متحد نہیں کر سکتے۔ لہذا سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ آپ اپنے آپ کو بنگالی، پنجابی، سندھی، بلوچی اور پٹھان وغیرہ سمجھنا ترک کر دیں۔ ہم مسلمان ہیں۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہم اور خواہ کچھ بھی ہوں سب سے پہلے مسلمان ہیں ہم ایک ملت ہیں۔ ہم نے اپنے لیے ایک وسیع سرزمین حاصل کی ہے یہ مسلمانوں کی سرزمین ہے۔

☆ پاکستان کی مشترکہ قومی زبان جو مملکت کے مختلف صوبوں کے درمیان افہام و تفہیم کا واحد ذریعہ ہو سکتی ہے وہ اردو ہے۔ اردو کے سوا کوئی اور زبان نہیں۔

ملک کی سرکاری زبان بھی اردو ہی ہونی چاہیے۔ یہ وہ زبان ہے جسے برصغیر کے لاکھوں مسلمانوں نے پرورش کی ہے اور اسے پاکستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سمجھا جا سکتا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اردو میں دوسری صوبائی زبانوں سے کہیں زیادہ

اسلامی تہذیب و ثقافت کا بہترین سرمایہ موجود ہے۔ اور اردو ہی دوسرے اسلامی ممالک کی زبانوں سے زیادہ قریب ہے۔

☆ قدرت نے آپ کو ہر شے دے رکھی ہے۔ آپ کے وسائل غیر محدود ہیں۔ آپ کی سلطنت کی بنیادیں استوار ہو چکی ہیں۔ اب یہ کام آپ کا ہے کہ جس قدر جلد ہو سکے ان بنیادوں پر ایک شاندار عمارت کھڑی کر دیں۔ اس کے بعد آگے قدم بڑھے۔ آپ کو یہ پیش قدمی مبارک ہو۔

☆ اخلاقی قوت، دلیری، محنت اور استقلال وہ چار ستون ہیں جن پر انسانی زندگی کی پوری عمارت تعمیر کی جاسکتی ہے۔ اور ناکامی وہ لفظ ہے جسے میں جانتا ہی نہیں۔

☆ اگر ہم پاکستان کی اس عظیم مملکت کو خوشحال و فارغ البال دیکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی تمام تر توجہات عوام کی بہبود پر مرکوز کر دینا ہوں گی۔ یاد رکھو کہ اگر تم نے پچھلے تمام تعصب اور بغض بھلا کر اور متحد ہو کر کام کیا۔ تو تم لازماً کامیاب ہو گے۔ اگر تم نے اپنے ماضی کو بھول کر اور یک جان ہو کر کام کیا۔ تو تمہارے لیے وقف ہونے والی خوش نصیبی۔ ترقی اور خوشحالی کبھی ختم نہ ہو سکے گی۔

☆ ہمارا مقصد وحید صرف ہر قسم کے خوف اور حرص کو دور کر دینے ہی سے پورا نہیں ہو جاتا۔ ہمیں اس آزادی، فارغ البالی اور برابری کی نعمت غیر مترقبہ کو پانا ہے جس کا اسلام داعی ہے۔

☆ ہمیں اس عظیم موقع پر اپنے ان بھائیوں اور بہنوں کو نہیں بھولنا چاہیے جنہوں ں پاکستان کے قیام اور ہماری بقا کے لیے اپنا سب کچھ اس کی بنیادوں میں کھپا دیا ہے اللہ ان کی روحوں کو طمانیت اور

سکون عطا کرے اور وہ جو آج کی مسرت میں شریک نہیں ہیں، انہیں بخششوں سے ڈھانپ لے۔ ہماری روحیں ان جان نثاروں کو کبھی فراموش نہیں کرسکتیں۔

☆ کبھی ایک ثانئے کے لیے بھی یہ خوف اپنے ذہن میں نہ آنے دیجئے کہ آپ کے بدخواہ کبھی اپنے ارادوں میں کامیاب ہوسکیں گے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس صورت حالات کو بھی کبھی معمولی نہ جانئے جو آپ کو درپیش ہے۔ اپنے دلوں کو ٹٹولیے اور اپنا محاسبہ کیجئے۔ کیا آپ نے وہ فرض ادا کر دیا ہے جو آپ پر ایک نئ مملکت کی تعمیر و استحکام کے سلسلہ میں عائد ہوا تھا۔

☆ صعوبتوں، رکاوٹوں اور مداخلتوں کو پھلانگتے ہوئے آگے بڑھئے۔ مجھے یقین ہے کہ سات کروڑ کی ایک عظیم کلچر اور تاریخ کی حامل باہمت قوم کے لیے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ کام کرنا آپ پر ہے۔ کام۔ کام۔ کام! جو ہمارے لیے کامرانی کی بین ضمانت ہے اور اپنا موٹو کبھی نہ بھولیے۔ اتحاد۔ تنظیم اور یقین محکم۔

☆ اس بلند و لازوال نے ہمیں ایک مملکت کی تعمیر کا ایک نہایت ہی عظیم الشان موقع عطا کیا ہے۔ خدا نہ کرے کہ ہمارے متعلق کبھی یہ کہا جائے کہ ہم اس عظیم کان کے اہل نہیں تھے۔

☆ ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتے کہ صلح و امن سے رہیں۔ دوسروں کو صلح و امن کے ساتھ رہتا دیکھیں۔ اور اپنے کام کی زندگی کو کسی بیرونی مداخلت کے بغیر اپنے مخصوص نظریات کے تحت بلند کر دیں۔

☆ فطرت نے ہمیں صنعت کے لیے خام اشیاء کا بیش بہا

ذخیرہ عطا کیا ہے۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم اسے ملک و ملت کی تعمیر کے لیے بہترین طریق سے استعمال کریں۔

☆ میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہمارے درمیان بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کی پشت پر بیرونی ایجنسیاں ہیں اور جو ہمارے ہاں انتشار و افتراق پھیلانا چاہتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ان سے خبردار رہیں اور کبھی ان کے جاذب و دلچسپ نعروں سے متاثر نہ ہوں۔

☆ میرا پیغام آپ کے لیے عزم امید اور اعتماد کا پیام ہے۔ آیئے ہم سلیقے کے ساتھ اپنے تمام ذرائع ان مشکل ترین مسائل کو حل کرنے پر لگا دیں۔ عظیم قوموں کے سے شایان شان عزم و استحکام اور تنظیم کے ساتھ۔

☆ ہم میں سے ہر ایک کو تحفظ و دفاع وطن کے سلسلے میں ایک نہایت ہی اہم رول ادا کرنا ہے۔ لہذا آپ کا نظریہ زیست اعتماد، تنظیم اور بے لوث خدمت ہونا چاہیے۔

☆ ہم اپنے ہمسایوں کے متعلق ہرگز کوئی جارحانہ ارادے نہیں رکھتے۔ ہم صلح و امن کے ساتھ رہنا اور دوسروں کو رہتا دیکھنے کے خواہش مند ہیں اور دنیا کے معاملات میں اپنے مخصوص انداز سے اپنا حصہ نہایت خاموشی کے ساتھ انجام دینا چاہتے ہیں۔

☆ جہاں تک آپ کی بنگالی زبان یا دیگر علاقائی شیرازہ کا تعلق ہے مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ اسے بالکل منتشر یا درہم برہم نہیں کیا جائے گا۔ آپ کے صوبے کی زبان کیا ہوگی؟ یہ فیصلہ آپ خود کریں گے۔ لیکن مجھے اس کے ساتھ ہی یہ بھی اعلان کرنے دیجئے کہ

پاکستان کی قومی زبان صرف اور صرف اردو ہی ہو گی۔ اور اردو کے علاوہ کوئی اور زبان نہیں۔ کیوں کہ ایک زبان ہی کامل اتحاد اور یگانگت پیدا کر سکتی ہے۔

☆ مجھے یہ تسلیم کرنے میں ذرہ بھر بھی تامل نہیں ہے کہ پاکستان ایک محنتی اور باہمت قوم کا **ملک** ہے۔ انسانیت کی تاریخ جس کی ہمت اور سر بلندی کے کارہائے نمایاں سے بھری پڑی ہے۔

☆ اب یہاں کوئی بیرونی حکومت نہیں ہے اب یہاں مسلمان حکومت ہے مسلمانوں کا اپنا راج جو اس عظیم الشان اسلامی مملکت کا نگہ دار ہے۔ اب ہر مسلمان بلکہ ہر پاکستانی کا فرض ہے کہ وہ اس کی زندگی کے ہر شعبہ کو مضبوط و مستحکم بنائے اور اسے خاص طور پر غریبوں اور ضرورت مندوں کے لیے خوش حال و فارغ البال بنائے۔

☆ ہماری ملی زندگی کے متعدد شعبے تشنۂ تکمیل پڑے ہیں۔ ہمیں ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے اور ان جدید مرحلوں کو سر کرنے کے قابل بننا ہے جو ہمیں درپیش ہیں۔

☆ یاد رکھیے ہم سب ایک ایسی مملکت کی تعمیر میں کوشاں ہیں جو اسلامی دنیا میں نہایت ہی اہم پارٹ ادا کرنے والی ہے۔ اس لیے ہمیں مسائل کو وسیع النظری سے سوچنا ہو گا۔ اس وسیع النظری سے جو ہمیں صدیوں قومیتوں اور قبیلوں کی حدوں سے بلند تر کر دے۔

☆ ایک عظیم مستقبل پاکستان کے لیے وقف و مقدر ہے۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ فطرت کے عطیوں کا پورا پورا فائدہ اٹھائیں اور ان سب کو بہترین طریق سے استعمال کر کے اسے ایک عظیم و مستحکم مملکت بنالیں۔

☆ میں اپنے نوجوان دوستوں کو یہ ضرور بتانا چاہتا ہوں کہ اپنی صفوں کے ففتھ کالم سے خبردار رہیں۔ خود غرض اور ابن الوقتوں سے ہشیار و محتاط رہیے۔

☆ یاد رہے، الفاظ نہیں بلکہ کام ہی قوموں اور ملکوں کو زندہ رکھا کرتے ہیں۔ جب بھی آپ کو تحفظ و دفاع وطن کا بلاوا ملا، آپ اپنی قدیمی روایات سے بھی بہت بڑھ چڑھ کر اس کی خدمت کریں گے۔

☆ اقلیتی فرقوں کو چاہیے کہ نہ صرف الفاظ سے بلکہ افعال سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں کہ وہ پاکستان کے سچے وفادار ہیں یہاں تک کہ اکثریت کو ان کے پاکستان کے سچے شہری ہونے کا یقین آ جائے۔

☆ آپ نے بجا طور پر تعلقات کے ان رشتوں کا ذکر کیا ہے جن میں افغانستان اور پاکستان بندھے ہوئے ہیں۔ یقیناً ان رشتوں کی اساس محض اعتماد، مشترک کلچر اور مشترک نظریات ہی پر ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ یہی اساس ان دونوں ملکوں کے عوام کو ایک دوسرے کے قریب تر کر دے گی۔

☆ تجارت کلچر سے بھی زیادہ بین الاقوامی ہوتی ہے اور اب یہ آپ پر ہے کہ آپ کوئی ایسا اقدام نہ کریں جس سے پاکستان کی نیک نامی اور شہرت کو گزند پہنچے یا اس کی عظمت میں اضافہ نہ ہو۔

☆ یہ آپ کی گورنمنٹ ہے اور اپنے پیشرو سے ہر لحاظ سے مختلف ہے۔ اس لیے اگر یہ کوئی اچھا کام کرے تو اسے سراہیے اور یقیناً بے باکی کے ساتھ تنقید کیجئے۔ جب کوئی ناپسندیدہ کام کیا جائے۔ میں نے تنقید کا ہمیشہ خیر مقدم کیا ہے لیکن تنقید بہر حال ایماندارانہ اور

تعمیری ہونی چاہیے۔

☆ بلوچستان بہادر اور غیور لوگوں کی سرزمین ہے۔آپ کے لیے قومی آزادی، وقار اور استحکام کے خاص معنے ہوں گے۔یہ ملکی اور غیر ملکی سرگوشیاں آپ کے اور آپ کے ملک کے ہرگز شایان شان نہیں ہیں۔ہم سب پاکستانی ہیں۔نہ کہ بلوچی پٹھان، سندھی، بنگالی اور پنجابی۔ہمیں صرف پاکستانیوں ہی سے سا سوچنا۔سمجھنا اور محسوس کرنا چاہیے۔اور ہمیں پاکستانی کہلا کر بجا طور پر فخر محسوس کرنا چاہیے۔

☆ حکومت پاکستان کی پالیسی قیمتوں کو ہمیشہ ایسی سطح پر رکھنا رہے گی جو خریدار اور پیدا کرنے والے دونوں کے لیے جائز اور مناسب ہوں۔

☆ فطرت نے آپ کو ہر شے دی ہے۔آپ کو غیر محدود وسائل و ذرائع حاصل ہیں۔آپ کی عظیم مملکت کی بنیاد رکھ دی گئی ہے۔اب اس کو جلد از جلد تعمیر و مستحکم کرنا آپ کا کام ہے۔

پس اس عظیم کام کے لیے آگے آیئے!

میرا خدا آپ کو اس کارنمایاں کی توفیق اور رحمت عطا کرے۔

☆ مجھے یقین ہے کہ پاکستان دوسری قوموں کے شانہ بشانہ دنیا میں امن اور خوشحالی کے قیام و فروغ کے لیے پوری جدوجہد کرے گا۔دنیا میں ہمیشہ امن کی ضرورت رہی ہے۔لیکن اس وقت تو امن کی ضرورت اور بھی زیادہ ہے۔

☆ دستور ساز اسمبلی کے بارے میں میرا نظریہ ہے کہ اس میں عوام کے نمائندے ہوں گے اور ان کا انتخاب محدود حق رائے دہندگان پر نہ ہوگا۔مجھے یقین ہے کہ جمہوریت ہمارے خون میں بسی

ہوئی ہے۔جمہوریت ہمارے گوشت پوست میں ہے۔امتداد زمانہ سے وہ ہمارے خون میں منجمد ہوگئی ہے۔خدا کا شکر ہے کہ اب پھر خون میں روانی پیدا ہو چلی ہے۔ یہاں میں ان تمام سرمایہ داروں، جاگیرداروں، زمینداروں کو آگاہ کر رہا ہوں جن کی پرورش ہمارے خون پر ہوئی ہے اور جو ایک بدکار اور زہر آلود نظام حکومت کے تحت زندہ ہیں۔ان کے لیے میں کوئی دلیل نہیں پیش کرنا چاہتا۔عوام کا خون ان کے شریانوں میں دوڑا کرتا ہے۔

☆ عوام کی حمایت حاصل کرنے کے لیے انہیں ایسی باتیں گوش گزار کرنا جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہ ہو فائدہ کی بجائے نقصان رساں ہے۔صبر و استقلال اور پیہم جدوجہد سے ہم سیاسی مسائل حل کرسکتے ہیں۔

☆ مظلوم مہاجرین کی آبادکاری و بحالی وقت کی اہم ضرورت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ حکومت پاکستان اس مشکل مسئلہ کو بہت جلد کامیابی کے ساتھ حل کرے گی۔ جب تک تمام مہاجرین بسائے نہیں جاتے اور وہ کام پر نہیں لگ جاتے میری روح کو قرار نہیں آئے گا۔

☆ یہ موقع ذاتی نفع ونقصان کی بابت سوچنے کا نہیں اور نہ اونچے اونچے عہدوں کے لیے بھاگ دوڑ کرنے کا ہے۔ یہ وقت تعمیری کوششوں کا مطالبہ کر رہا ہے۔ بے غرض خدمت اور اپنے فرائض کی انجام دہی سب سے زیادہ ضروری ہے۔حکام کا فرض ہے۔کہ بے قاعدگی اور بدنظمی کے مہلک امراض کا جلد قلع قمع کریں۔اپنی مثال سے اپنے کارکنوں میں ایک نئی سپرٹ پیدا کریں۔انہیں محسوس کرائیں کہ وہ ایک بہت بڑے مقصد کی خاطر محنت کر رہے ہیں۔اور وہ

مقصد اتنا اعلیٰ ارفع اور اس قدر عظیم ہے کہ اس کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی بھی کچھ نہیں۔ ہمیشہ قوم کے اجتماعی مفادات کو پیش نظر رکھیں۔ اور یہ اصول کبھی نہ فراموش کریں ''اتحاد، تنظیم اور ایمان''۔

☆ اس بات پر میرا پختہ ایمان ہے کہ حکومت بغیر مقدمہ چلائے اور بغیر کوئی جرم ثابت کئے ایک منٹ کے لیے بھی کسی انسان کی آزادی ضبط نہیں کر سکتی۔

☆ ہمارے عوام میں کروڑوں افراد ایسے ہیں جنہیں پیٹ بھر کر کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا۔ کیا تہذیب یہی ہے؟ کیا پاکستان کا مقصد یہی ہے؟ آپ کو معلوم ہے کہ کروڑوں انسانوں کو اس طرح معاشی لوٹ کھسوٹ کا شکار بنایا گیا ہے کہ انہیں ایک وقت کا کھانا تک میسر نہیں آتا۔ اگر پاکستان کا مطلب یہ ہے تو مجھے ایسا پاکستان ہرگز نہیں چاہیے۔ اگر زمیندار اور جاگیردار عقل مند ہیں تو انہیں اپنے آپ کو بدلے ہوئے حالات کے سانچے میں ڈھالنا ہوگا۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو خدا ان کے حالات پر رحم کرے۔ بہر حال ہم ان کو کوئی مدد نہیں دیں گے۔

☆ ہر حکومت کا یہ اولیں فرض ہے کہ وہ اپنے ملک میں امن و امان قائم رکھے۔ اگر حکومت عوام کی مرضی کی پرواہ نہیں کرتی تو چاہے آپ کتنے ہی قوانین وضع کر لیں، آپ انقلابی تحریکوں کو نہیں کچل سکتے۔ جمہوری حکومتوں کا ادنیٰ اصول ہے کہ وہ تشدد کے بل پر قائم نہیں رہ سکتیں۔ انہیں عوام کے سامنے اپنا لائحہ عمل پیش کرنا ہوتا ہے اور عوام کی مرضی کے مطابق وہ اس پروگرام کو عملی جامہ پہناتی ہیں۔

☆ جناب والا! میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو کسی

جارحانہ کارروائی یا جرائم کی ہمت افزائی کرتے ہیں۔لیکن میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں نے آئین وضوابط کا بغور مطالعہ کیا ہے اور یہ محسوس کیا ہے کہ ہر آئین میں سب سے زیادہ اہم شے شہری آزادی ہے۔

☆ دنیا میں کوئی بھی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کرسکتی جب تک عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ گامزن نہ ہوں۔ہم بہت سی رسول کا شکار ہیں۔عورتوں کو گھر کی چاردیواری میں بند کر کے رکھنا انسانیت کے خلاف ایک جرم ہے۔میرے کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ ہم مغرب کی برائیوں کی تقلید کریں۔ بلکہ اسلام کے معیار کے مطابق عورتوں کی پوزیشن کو سماج میں بلند کرنا چاہیے۔آج جس حالت میں عورتیں زندگی بسر کر رہی ہیں وہ اسلامی قانون کی منافی ہے۔آپ اپنی عورتوں کو زندگی کے تمام شعبوں میں اپنا ساتھی بنائیں اور ساتھ ساتھ مغرب کی برائیوں سے بچنے کی کوشش کریں۔

☆ آپ تعلیم پر پورا دھیان دیں۔اپنے آپ کو عمل کے لیے تیار کریں یہ آپ کا پہلا فریضہ یہ۔آپ کی تعلیم کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ آپ دورحاضرہ کی سیاست کا مطالعہ کریں۔یہ دیکھیں کہ آپ کے گرد دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔

☆ ہماری قوم کے لیے تعلیم زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔دنیا اتنی تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے کہ اگر آپ نے اپنے کو تعلیم یافتہ نہ بنایا تو نہ صرف یہ کہ آپ پیچھے رہ جائیں بلکہ بالکل ختم ہو جائیں گے۔

تعلیم کی اشاعت کے لیے بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہ کرنا چاہیے۔اس مقصد کی خاطر جتنی بھی مصیبتیں جھیلی جائیں کم ہیں۔

☆ اگر ہم پاکستان کی اس عظیم الشان سلطنت کو خوش حال دیکھنا چاہتے ہیں تو آپ کو اپنی تمام مساعی اس کے باشندوں خصوصاً عام لوگوں اور غریبوں کی فلاح و بہبود کے لیے وقف کر دینی چاہئیں۔ اس ملک میں جس کی ہم آج بنیاد رکھ رہے ہیں۔ ذات پات یا مذہب کی بنا پر کسی سے امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا۔ ہم اس بنیادی اصول پر اس کا آغاز کر رہے ہیں کہ ہم سب ایک ''ریاست'' میں برابر کے شہری ہیں۔

☆ قرآن مجید مسلمانوں کی زندگی کے لیے ایک عام ہدایت نامہ ہے۔ یہ نہ صرف مذہبی رسوم پر بلکہ روزمرہ کی زندگی پر بھی حاوی ہے۔ روح کی نجات سے لے کر بدن کی صحت تک، اس میں ہر شے کا ذکر ہے۔ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ ہر مسلمان اپنے پاس قرآن مجید کا ایک نسخہ رکھے اور اپنا مذہبی پیشوا آپ ہو۔

☆ آخر وہ کون سی چیز تھی جس نے مسلمانوں کو تن واحد کی طرح متحد کر دیا۔ اس قوم کی بنیاد کیا ہے۔ وہ لنگر کون سا ہے جس نے اسے اپنے مقام سے جنبش نہ کرنے دی؟ وہ ہے اسلام اور ہماری عظیم الشان کتاب قرآن۔ یہی ہمارا لنگر ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھیں گے ہم میں زیادہ وحدت پیدا ہو گی۔

ایک رسول ایک کتاب ایک ملت

قائداعظم ۔۔۔۔۔ ماہ وسال کی روشنی میں

۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء ولادت کراچی میں

۱۸۸۲ء ابتدائی تعلیم کا آغاز

۱۸۹۳ء تعلیم کے لیے انگلستان کو روانگی

۱۸۹۶ء بیرسٹری میں کامیابی اور وطن واپسی

۱۸۹۷ء بمبئی میں وکالت کا آغاز

۱۹۰۰ء بمبئی میں بطور پریزیڈنسی مجسٹریٹ تقرر

۱۹۰۵ء دادا بھائی نوروجی کے پرائیویٹ سیکرٹری مقرر ہوئے

کانگرس میں شرکت

۱۹۰۶ء بمبئی ہائی کورٹ میں بحیثیت ایڈووکیٹ

۱۹۰۹ء سپریم امپیریل کونسل کے بلا مقابلہ انتخاب

۱۹۱۰ء قانون ساز کونسل کے رکن منتخب ہوئے۔

۱۹۱۱ء وقف علی الاولاد کے سلسلے میں کونسل میں مسودہ قانون پیش کیا۔

۱۹۱۲ء مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کلکتہ میں بحیثیت مہمان شرکت۔

۱۹۱۳ء مسٹر گوکھلے کے ساتھ انگلستان کو روانگی انڈین لندن ایسوسی ایشن کا قیام ۔واپسی پر مسلم لیگ میں شرکت۔

وقف علی الاولاد کے بارے میں آپ کا مسودہ قانون منظور ہوا۔

۱۹۱۴ء کانگرس کے ایک وفد کے رکن کی حیثیت سے انگلستان گئے۔

۱۹۱۵ء ہندو مسلم اختلافات کو مٹانے کے لیے کانگرس اور مسلم لیگ کی ایک مشترکہ کمیٹی کا قیام۔

۱۹۱۶ء مسلم لیگ کے تاریخی اجلاس لکھنو کے صدر مقرر ہوئے ۔میثاق لکھنؤ کی منظوری۔

۱۹۱۷ء ہوم رول کی تحریک میں شرکت۔

کانگرس اور مسلم لیگ کے مشترکہ وفد میں شرکت۔

۱۹۱۸ء بمبئی میں مشہور پارسی لیڈر مسٹر ڈنشا پیٹ کی دختر کو مسلمان کر کے ان سے شادی کی۔

لارڈ ولنگڈن کے خلاف مظاہرے کی رہنمائی میں شرکت۔

۱۹۱۹ء رولٹ ایکٹ کے خلاف بطور احتجاج امپیریل کونسل سے استعفیٰ

۱۹۲۰ء ترک موالات کے سلسلے میں اصولی اختلاف کی بنا پر کانگرس سے علیحدگی۔

۱۹۲۱ء مسٹر گاندھی کی حکمت عملی سے اختلاف۔

۱۹۲۶ء ہندو مسلم اتحاد کے لیے ایک نیا فارمولا پیش کیا۔ جسے کانگرس نے منظور نہ کیا۔

۱۹۲۷ء مسلمانوں کے مشترکہ اجلاس دہلی کی صدارت تجاویز دہلی کی ترتیب آل پارٹیز کانفرنس میں شرکت۔

سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کی سرگرم قیادت

۱۹۲۸ء نہرو رپورٹ کی ابتداء۔ ابتداء میں مشروط تائید بعد میں آل پارٹیز میں کھلی مخالفت۔

۱۹۲۹ء مسلم لیگ کے اجلاس دہلی میں چودہ نکات کا اعلان۔ مرکزی اسمبلی میں پنڈت موتی لال سے جھڑپ۔

۱۹۳۰ء کانگرس کی تحریک سول نافرمانی کی مخالفت۔

مسلمانوں کے نمائندے کی حیثیت سے گول میز کانفرنس میں شرکت۔

انگلستان میں مستقل سکونت۔

۱۹۳۱ء دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت اور ہندوستانی سیاست سے عارضی

کنارہ کشی

۱۹۳۴ء بمبئی کے شہری حلقے سے مرکزی اسمبلی کے انتخاب میں کامیابی۔

۱۹۳۵ء جناح راجندر پرشاد فارمولا

۱۹۳۶ء قانون ہند ۱۹۳۵ء کے تحت صوبائی انتخاب میں بحیثیت جماعت حصہ لینے کا فیصلہ۔

مسلم لیگ پارلمینٹری بورڈ کا قیام۔ مسلم لیگ کے متعلق صدر کی حیثیت سے انتخاب مسلم لیگ کی نئی جدوجہد کا آغاز۔

برعظیم ہند کا طوفانی دورہ۔

انتخابات میں مسلم لیگ کی شاندار کامیابی۔

۱۹۳۷ء آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے پہلے سالانہ اجلاس کلکتہ کی صدارت

۱۹۳۸ء پنڈت نہرو کی درخواست پر ان سے کانگرس اور مسلم کے اختلافات کے سلسلے میں خط وکتابت۔

گاندھی جی سے خط وکتابت۔

یکم نومبر ۱۹۳۹ء وائسرائے کی خواہش پر ان سے ملاقات۔

۲۲ مارچ ۱۹۴۰ء لاہور میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں ''قرار داد لاہور'' کی منظوری

وکالت ترک کر کے مسلمانوں کی خدمت کو نصب العین بنانا۔

حکومت برطانیہ کو انتباہ۔ مسلمان کسی ایسے فیصلے کو منظور نہ کریں گے جو قرارداد لاہور کے منافی ہو۔ کونسل بنانے متعلق مسٹر جناح کی تجویز کی منظوری

۱۹۴۱ء مسٹر راج گوپال اچاریہ کی پیش کش ۲۳ مارچ یوم پاکستان۔

۱۹۴۲ء ہندوستان میں کرپس مشن کی آمد۔ قائداعظم سے ملاقاتیں اور

پاکستان کے اصول کو تسلیم کرلینا۔ کرپس مشن کی تجاویز کا استرداد

کانگرس کی قرارداد اگست کی مخالفت

۱۳ ستمبر ۱۹۴۳ء تقسیم ہند کے مطالبے کی اٹل شرط کا اعلان۔

لارڈ ویول کا بطور وائسرائے تقرر۔

۲۶ جولائی ۱۹۴۴ء قائداعظم پر ایک خاکسار کا ناکام قاتلانہ حملہ۔

۱۸ مارچ ۱۹۴۴ء لاہور میں مسلم سٹوڈنٹس کانفرنس کا افتتاح

مسٹر راج گوپال اچاریہ کا فارمولا۔ قائداعظم نے اس فارمولا کو رد کردیا۔

اور پاکستان کی بنیاد پر مسلم لیگ سے تعاون کرنے کی اپیل

قیام لاہور میں خضر وزارت سے مصالحت کی کوشش

۹ ستمبر ۱۹۴۴ء گاندھی جی سے ملاقات۔

۲۸ جون ۱۹۴۵ء لارڈ ویول کی شملہ کانفرنس میں شرکت

سر تیج بہادر سپرو کی ہندو مسلم اختلافات کو مٹانے کی تجاویز

قائداعظم نے فرمایا یہ تجاویز مسلم لیگ کے نصب العین کے خلاف ہیں۔

۹ جولائی ۱۹۴۵ء شملہ کانفرنس کی نا قابل قبول تجاویز کو مسترد کرنے کا اعلان۔

شملہ کانفرنس کی ناکامی۔

اکتوبر ۱۹۴۵ء بلوچستان کا دورہ۔

گورنر جنرل کے نمائندہ سے اہم ملاقات۔ قوم پرست مسلمانوں کی نامزدگی پر

کانگرس اور لیگ میں اختلاف۔

۲۱ نومبر ۱۹۴۵ء مرکزی مجلس قانون ساز کے انتخاب میں کامیابی۔ مخالف کی

ضمانت ضبط

۱۱ جنوری ۱۹۴۶ء لیگ کی شاندار کامیابی پر ''یوم فتح'' منانے کا اعلان

۲۳ فروری ۱۹۴۶ء وزارتی مشن کا دورہ ہند

اپریل ۱۹۴۶ء برطانی وزارتی مشن کی آمد۔ مشن کی تجاویز کی منظوری۔ کانگرس کا انکار۔ مسلم لیگ کنونشن کا اجلاس۔ راست اقدام کا فیصلہ

۱۶ مئی ۱۹۴۶ء وزارتی مشن کی قلیل المدت اور طویل المدت سکیم کا اعلان۔

۲۴ مئی ۱۹۴۶ء کانگرس کا گروپنگ کی سکیم پر اعتراض۔

۶ جون ۱۹۴۶ء چند شرائط کے تحت مسلم لیگ نے اس سکیم کو منظور کر لیا۔

۱۶ جون ۱۹۴۶ء لیگ اور کانگرس کو عبوری حکومت کے قیام کی دعوت۔

۲۹ جولائی ۱۹۴۶ء وزارتی مشن کو مسترد کرتے ہوئے راست اقدام کا اعلان جس پر تمام خطاب یافتہ لوگوں نے خطابات کو چھوڑ دیا۔

۲۴ اگست ۱۹۴۶ء لارڈ ویول کی طرف سے عبوری حکومت کے قیام کا اعلان۔ کانگرس کو حکومت بنانے کی دعوت۔

قائداعظم کا وائسرائے کی اس عیاری پر زبردست احتجاج۔

عبوری حکومت میں مسلم لیگ کی شمولیت۔ لارڈ ویول کی واپسی

۱۹ اکتوبر ۱۹۴۶ء عبوری حکومت میں مسلم لیگ کی شرکت

دسمبر ۱۹۴۶ء برطانوی حکومت کی دعوت پر لندن کو روانگی۔

واپسی پر مفتی اعظم فلسطین امین الحسینی نحاس پاشا اور عزام پاشا سے ملاقاتیں

۲۴ جنوری ۱۹۴۷ء پنجاب میں خضر حیات ٹوانہ نے مسلم لیگ اور نیشنل گارڈ کو خلاف قانون قرار دے دیا۔ لیگی ممبران کی گرفتاریاں۔

۲۵ جنوری ۱۹۴۷ء حکومت پنجاب اور لیگ میں سمجھوتہ۔

۲ مارچ ۱۹۴۷ء خضر حیات کا استعفیٰ

۲۱ مارچ ۱۹۴۷ء بطور وائسرائے اور گورنر جنرل لارڈ مونٹ بیٹن کی ہندوستان میں آمد۔

وائسرائے سے ملاقاتیں اور مطالبہ پاکستان کی منظوری۔

۱۳ اپریل ۱۹۴۷ء کانگرس کی طرف سے بنگال اور پنجاب کی تقسیم کا مطالبہ

۳ جون ۱۹۴۷ء قیام پاکستان کا اعلان

۴ جون ۱۹۴۷ء مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا اجلاس

پیرانہ سالی کے باوجود ملک کے لیے کام

۱۹ جون ۱۹۴۷ء کراچی کو دارالحکومت بنانے کا فیصلہ

۴ جولائی ۱۹۴۷ء دارالعلوم میں قانون آزادی ہند کی منظوری

۱۱ اگست ۱۹۴۷ء پاکستان کی مجلس دستور ساز میں خطبہ صدارت

۱۳ اگست ۱۹۴۷ء لارڈ مونٹ بیٹن کے اعزاز میں کراچی میں دعوت

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء پاکستان کا قیام

۱۸ اگست ۱۹۴۷ء بحیثیت گورنر جنرل قوم کے نام عید کا پیغام

۲۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء عیدالضحیٰ کے موقعہ پر قوم کے نام پیغام

۳۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء پنجاب یونیورسٹی کے کھلے میدان میں قوم سے خطاب اور مہاجرین کو ضبط وصبر کی تلقین۔

۲۵ دسمبر ۱۹۴۷ء آخری سالگرہ

۲۳ جنوری ۱۹۴۸ء بحری ادارہ ''دلاور'' کی رسم افتتاح اور حکام سے بے لوث خدمت کرنے کی اپیل

۱۴ فروری ۱۹۴۸ء سبی کے عظیم الشان دربار میں شرکت

۳ مارچ ۱۹۴۸ء ڈھاکہ میں تین لاکھ کے مجمع سے خطاب

یکم جولائی ۱۹۴۸ء بنک دولت پاکستان کی رسم افتتاح

۱۴ جولائی ۱۹۴۸ء بغرض صحت زیارت (بلوچستان) کو روانگی۔

۱۴ اگست ۱۹۴۸ء پہلے جشن استقلال کے موقعہ پر زیارت سے قوم کے نام جرأت آموز پیغام

۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء نو بجے شام کے قریب کراچی میں بذریعہ ہوائی جہاز آمد۔

شب کو دس بج کر ۱۵ منٹ پر انتقال

انا للہ و انا الیہ راجعون

۱۲ ستمبر ۱۹۴۸ء چار لاکھ انسانوں نے نماز جنازہ پڑھی اور آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

--------The End---ختم شد--------

☆☆☆